منصبِ امامت

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

کتاب	:	منصب امامت
مصنف	:	حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ
مترجم	:	حکیم محمد حسین علوی
مطبع	:	حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور
اشاعت چہارم	:	2008
اہتمام	:	محبوب الرحمٰن انور
قیمت	:	150/=

لیگل ایڈوائزر

قیصر زمان ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

ایکس انکم ٹیکس آفیسر

بی اے، ایل ایل بی، ایل ایل ایم (لندن)

ڈی۔ای۔ایل (پنجاب یونیورسٹی)

فہرست مضامین

☆ ☆ ☆

عرض مترجم

الحمدللہ وکفی وسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "منصب امامت" فارسی کا اردو ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔ جس کی اشاعت کا مقصد وحید یہ ہے کہ فی زمانہ بعض مبتدعین نے حضرت شہید کی کتاب تقویۃ الایمان کے بعض فقروں کو انبیاء و اولیاء کی توہین و اہانت پر محمول کیا ہے اور شاہ صاحب پر طرح طرح کے الزام عائد کئے ہیں۔ زیر مطالعہ کتاب سے یہ بات معلوم کرانا مقصود ہے کہ جو عزت و تکریم حضرت مولانا شہید نے انبیاء و اولیاء کے لئے بتائی ہے اس کا عشر عشیر بھی خود جماعت مبتدعین کے اندر موجود نہیں ہے۔ لہٰذا آپ بنظر انصاف اس کتاب کا مطالعہ کرکے اپنے دل سے پوچھیں کہ آپ انبیاء کرامؑ اور بزرگان دین کی کہاں تک تکریم و تعظیم کرتے ہیں اور شاہ شہید ان کی تعظیم و اتباع کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

دوسرا مقصد اشاعت یہ ہے کہ چونکہ آج کل ہم کہہ رہے ہیں کہ ہماری سلطنت (پاکستان) ایک اسلامی سلطنت ہے۔ لہٰذا اس کتاب سے یہ اخذ کریں کہ سلطنت اسلامی کے فرمان رواؤں کے لئے خدا اور رسولؐ نے کیا طریقہ حکومت بنایا، اسلامی سلطنت کے باشندگان پر کیا فرائض عائد ہوتے ہیں اور انہیں کیا کرنا چاہیے۔ نیز انبیاء کی حکومت، خلفائے راشدین کی خلافت، آئمہ دین کے مراتب، سلطان عادل اور سلطان ظالم وغیرہ عنوانات پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ کتاب ہذا میں لفظ امام سے مراد "صاحب دعوت ہے" لیکن اس کے ضمن میں وہ دقیق و عمیق مسائل بھی حل کئے گئے ہیں جن کی امت محمدیہ کے ہر فرد کو ہر وقت ضرورت رہتی ہے اور اس شاہراہ کے تمام اصول و فروع کا بیان نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کتاب "منصب امامت" ایک اسلامی حکومت کے لئے دستور العمل کے طور پر اس وقت تصنیف ہوئی تھی جبکہ حضرت سید احمد صاحب بریلوی نے اسی سرزمین پر ایک اسلامی حکومت بنانی چاہی تھی اس وقت ضرورت محسوس کی گئی تھی کہ راعی و رعایا پر نظام دنیوی کے دقیق مسائل عیاں ہو جائیں۔ چنانچہ حضرت شہید نے منصب امامت کو تصنیف فرمایا تھا۔ چونکہ اس وقت تو اسلامی مملکت نہ بن سکی اب جب کہ رب العزت نے مسلمانوں کو اپنی سلطنت عطا فرمادی ہے اور پاکستان کے نام سے ایک اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی گئی ہے تو ضرورت ہے کہ کارپردازان حکومت اس دستور العمل کو ایک نعمت غیر مترقبہ تصور فرماتے ہوئے اس کتاب کی اشاعت میں پوری دلچسپی لیں اور اس پر عملدرآمد کی بنا رکھ کر پاکستان کو صحیح معنوں میں پاکستان بنانے کی سعی و کوشش میں زیادہ سے زیادہ ہمت صرف کریں۔ اس مقصد کے لئے پاکستان کے ارباب بست و کشاد کی خدمت میں یہ عرض کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ اس کتاب کو داخل نصاب فرمایا جائے۔ تاکہ آئندہ نسلوں میں بطور راعی کام کرنے والی ہستیاں اپنی ذمہ داری سے آگاہ ہوکر کام کریں اور جو لوگ بطور رعایا ان کے ماتحت ہوں گے وہ بھی اپنے حکمرانوں کی اطاعت و فرمانبرداری کے فریضہ کو بجالانے کے لئے اپنے فرائض کے شاہراہ سے آگاہ ہوجائیں۔

نیز اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ اگر ترجمہ میں کوئی غلطی ملاحظہ فرمائیں تو براہ کرم آگاہ فرمائیں۔ تاکہ آئندہ طباعت میں اصلاح کردی جائے۔

محمد حسین علوی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ قَالَ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ھُدًی فَلَاخَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ اَلصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی اکرم الخلق محمد الّذی قال لایزال ھذا الدین قائمًا حتّٰی تقوم الساعۃ او یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کلّھم من قریش وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

حمد و صلوٰۃ کے بعد بندۂ ضعیف، امیدوار رحمت خداوندی، احقر العباد محمد اسمٰعیل سلمہٗ عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ اس رسالہ میں "منصبِ امامت" یا حقیقت امامت اور اس کا تفصیلی بیان مرقوم ہے۔ اس میں دو باب ہیں:۔

باب اوّل

امامت

فصل (۱)

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے کمالات

تمہید۔ اِس فصل میں حضرات انبیائے کرام علیٰ نبیّنا وعلیہم الصّلوٰۃ والسلام کے اُن کمالات کا ذِکر ہے جو امامت کے مفہوم کو واضح کرتے ہیں۔

امام رسُول کا نائب اور امامت ظلّ رسالت ہے۔ نائب کے احکام کو منیب سے پہچاننا اور ظلّ کی حقیقت کو اصل سے معلوم کیا جاتا ہے۔ لہذا اِس مقام پر انبیاء علیہم السّلام کے اُن کمالات کا ذکر کیا جاتا ہے جو امامت کے

مفہوم کو واضح کرتے ہیں :

انبیاء علیہم السلام کے درجات و کمالات اِتنے زیادہ ہیں کہ اُن کا شُمار و احاطہ مجھ جیسے اُمّتی سے مُشکل بلکہ نا ممکن ہے ۔ لیکن مَیں اُن کمالات کا بیان کروں گا جو حقیقتِ امامت سے تعلق رکھتے ہیں :

دین کی پیشوائی یا یُوں سمجھیے کہ قوم کی راہبری کا مرجع اور منبع پانچ اصولوں پر ہے ۔

(۱) وجاہت (۲) ولایت (۳) بعثت (۴) ہدایت (۵) سیاست

اِن پانچ کمالات کے معانی کی تحقیق بالترتیب حسب ذیل ہے ۔

(۱) وجاہت (رُتبہ عزت)

خُدا کے حضور میں انبیاء کا امتیاز

انبیاء علیہم السّلام کو خُدائے رحمٰن کے حضور میں تمام مخلوق کی نسبت ایک خاص امتیاز حاصل ہے وہ عنایاتِ خُداوندِ ذوالجلال کے منظورِ نظر ہیں ، الطافِ ربّانی سے ہر وقت مسرور و خوشحال اور انعاماتِ الٰہی سے ہمہ دم ممتاز ہیں ۔ محبوبیّت کے چمن کے پھُول اور مقبولیت کی انجمن کے صدر نشین ہیں اُنس کے افلاک کے ستارے اور قدُوس کے املاک کے افسر ہیں ۔ درجاتِ عظیمہ کا عطیّہ انہی کی ذاتِ بابرکات کو زیبا اور مہمات کا سرانجام انہی کی ذات کے لیے موزوں ہے وہ کرّوبیاں کی محفل کے سردار اور قدّوسیوں کے لشکر کے تاجدار ہیں ۔ اُن کی ہمت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کُنجی اور اُن کی دُعا مُستجاب ہے ۔ اُن کا محبّ خدا کا محبوب اور

اُن کا دشمن خدا کا معتوب ہے، اُن کی محبت بلندئ درجات کا باعث اور اُن کا توسّل وسیلۂ نجات ہے۔ اُن کی پیروی باعثِ حصولِ عطیّات اور اُن کا اتّباع دافعِ بلیّات ہے۔ وہ غیبی فیوض کا منبع اور اسرارِ قدسی کے خزانے ہیں۔ اُن کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنٰی کوشش بھی مشکور اور اُن کے فرمانبرداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے۔ وہ ریاضاتِ شاقہ جو سُنّت کے خلاف ظاہر ہوتی ہیں۔ انجام کار فصیاء منثورا ہوں گی۔ اور بہت سے آسان عمل ہیں جو اُن کے توسّل سے اعلیٰ درجہ تک پہنچائیں گے اور دُنیا و آخرت کی نجات کا باعث ہوں گے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے انہی کا توسّل شاہراہ ہے اور سالکانِ طریقت کے لیے اُن کے اتباع سے منازل طے کرنا نہایت آسان، اور اُن کے توسّل کے سوا ہرزہ گردی اور بے سرو سامانی ہے۔

وجاہت کا ماحصل اس سے ظاہر ہو گیا کہ وجاہت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل، محبوبیّتِ ربّ العالمین۔ دوم ملائکۂ مقربین میں عزت، سوم نیک بندوں کے لیے وسیلۂ فیض، جسے ''سیادت'' کے لفظ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ پس وجاہت کا منصب، محبوبیّت، عزت اور سیادت تینوں سے مرکّب ہے اور یہی منصب انبیائے کرام کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا ہُوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔

(آل عمران ع)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم، اللہ خوشخبری دیتا ہے تجھ کو ساتھ کلمہ کے کہ اُس کا نام مسیح ابنِ مریمؑ ہے دُنیا و آخرت میں وجیہ اور مقربوں میں سے ہے۔

اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا - (احزاب)

اے ایمان والو! اُن لوگوں کے مانند نہ ہوجاؤ جنہوں نے موسیٰؑ کو ایذا دی۔ پس بری کر دیا اس کو اللہ نے اُس سے جو وہ کہتے تھے۔ وہ تو اللہ کے نزدیک وجیہ (معزز) تھا۔

وجاہت میں دوسرے مومنین کا حصہ اسی طرح دوسرے مقرب بندوں کو بھی اُن کی قدر کے موافق یہ جلیل القدر منصب اللہ تعالےٰ عطا فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ولا یزال یتقرب عبدی بالنوافل حتّٰی اَحْبَبْتُهٗ فاذا احْبَبْتُهٗ لکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان. سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ

تو میرا بندہ نوافل کے ذریعہ قرب حاصل کرنے میں کمی نہیں کرتا یہاں تک کہ میں اُسے محبوب بنالیتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اُس کے کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سُنتا ہے اور اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ چھوتا ہے اور اُس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور جب وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اُسے پورا کرتا ہوں اور جب وہ میری پناہ میں آتا ہے تو پناہ دیتا ہوں

نیز فرمایا ہے۔

من عادٰی لی ولیًّا فقد بادرنی بالحرب۔	(جس نے میرے دوست سے عداوت کی، اُس نے میرے ساتھ اعلانِ جنگ کر دیا)
اُولٰٓئِكَ عزمت کرامتهو بیدی۔	یہی وہ لوگ ہیں جن کی بزرگی میں نے اپنے ہاتھ سے قائم کی ہے۔

وجاہت کی قسمیں

بیشک مذکورہ وجاہت (مرتبہ، عزّت) انبیاء اور دیگر خاصانِ خدا کے لیے ہے۔ اِس کی ۲دو قسمیں ہیں۔
قِسم اوّل، وجاہت اجتبائی۔ (یعنی وہبی)
قِسم دوم، وجاہت کسبی۔ (یعنی خود کوشش کر کے حاصل کرنا)

۱۔ وجاہت کسبی کی مثال یُوں سمجھیے کہ اُمراء اور رؤساء کو بادشاہوں کے دربار میں ایک خاص وجاہت (عزّت) حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس کا حصول ۲دو طرح سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ بعض نے بادشاہ کی پسند کے ذاتی کمال حاصِل کیے، اُس کے حسبِ خواہش خدمت انجام دی اور بہت سے رنج آمیز اور تکلیف دِہ اوامر کی بجا آوری میں اپنی جان کو ہلکان کیا اور جان و مال اور عزّت و آبرو کو اس کی اطاعت میں صرف کر دیا۔ پس اُس کی لیاقت اور اطاعت کے سبب آقا کی نظرِ عنایت اُس پر ہو گئی اور اُس کو وجاہت و برتری کا مقام حاصِل ہو گیا۔

۲۔ وجاہتِ اجتبائی کی مثال یُوں سمجھیے۔ جیسے بادشاہ ارادہ کرتا ہے کہ کسی کو تادیب و تعلیم دے کر امارت و وزارت کے منصب پر فائز کرے۔ بنابریں اُس نے اپنی رعایا میں سے ایک لڑکے کو ممتاز فرما کر نائبِ خاص کے نام سے سرفراز کیا اور اس کی تادیب و تربیت میں ولی اور کفیل

ہو کر اس کی پرورش کی۔ اور اس کے نہالِ تربیت کو اپنی عنایت کے زلال سے پانی دیا۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی حمایت کے سائے میں نشوونما کے کمال تک پہنچا دیا اور جس منصب پر اسے قائز المرام کرنا تھا سرفراز فرما دیا۔

اگرچہ متذکرہ منصب سطحی نظر سے اس کے کمالاتِ ظاہری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن، دراصل یہ منصب اسی وقت اسے مسلّم ہو چکا تھا جبکہ اس کو سنِ طفولیّت میں ہی منصبِ مذکور پر مامور کرنے کے لیے پرورش کیا جا رہا تھا۔ پس یہ منصب وجاہت اوّل کا ماحصل ہوا اور حصولِ کمالات و ادائے خدمات اس کے فروعات سے ہیں۔ پس وجاہتِ اوّل (وجاہتِ اجتبائی) تحصیلِ کمالات و ادائے خدمات پر مترتّب ہے۔ برخلاف دوسری کے کہ کمالات کا حصول اور خدمات کا ظہور حصولِ وجاہت پر مبنی ہے۔

عام مومنین کی وجاہت اسی طرح خاص بندگانِ خدا کو بادشاہ مطلق و مالک و مختار کے حضور میں منصبِ وجاہت دو ہی طریق سے حاصل ہوتا ہے اوّل، اجتبائی یعنی خداوند تعالیٰ خود ودیعت فرماتے۔ دوم عبادت کا نتیجہ یعنی کسبی۔ چنانچہ حدیث لا یزال عبدی یتقرّب بالنّوافل (الحدیث) وجاہت کسبی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور آیات وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (طٰہٰ) وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (انعام) وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (طٰہٰ) اور حدیث أولٰئِكَ عزمت کو امنهم بيدی میں وجاہت اجتبائی (وہبی) کا اشارہ ہے اور یہ اُن خاص بندگانِ خدا سے مخصوص ہے جو انبیاء اور مرسلین کے نام نامی سے مخاطب کیے جاتے ہیں۔

(۲) حقیقتِ ولایت

رُوحانی معاملات اور انسانی کمالات میں امتیاز

انبیاء علیہم السلام کے رُوحانی معاملات کو انسانی کمالات میں عام لوگوں کی نسبت یہ خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ دربارِ کبریائی کے مخاطب اور کتاب اللہ واشاراتِ غیبی کے حامل اور صحیح بشارتوں سے سرفراز ہیں۔ تکریم کے چمن اور تعلیم کے گلستان سے تربیت یافتہ ہیں۔ مجالسِ تعظیم کے سردار اور مدارس تفہیم کے دانش مند ہیں۔ احکام (الٰہی) کے مخزن اسرار اور الہام کے مورد ہیں۔ عالم ملکوت کے نور سے منور اور معجزات کے ظہور سے عالمِ تکوین میں مؤید کے کمالات سے موصوف اور لذاتِ مناجات کے ادراک کے عاشق اور حُبّ اللہ کے مقام میں ثابت قدم اور بُغض فی اللہ کے معرکے میں علمبردار ہیں۔ عاجزی کا اقرار کرنے والے ہیں، اللہ تعالےٰ کے دیدار کے شوق میں فنا ہیں جیساکہ شبنم سُورج کی تپش سے فنا ہو جاتی ہے۔ ربّ العزت کی تعظیم میں نہایت مؤدّب اور راضی برضائے مولیٰ ہیں۔ اللہ کو ایک ماننے میں پختہ ہیں۔ توکّل اور تنہائی میں نہایت پاک ہیں نفسانی آلودگی سے مبرا ہیں اور وساوسِ شیطانی کے دُور کرنے میں جری اور بہادر ہیں۔ طہارت اور پاکدامنی اُن کی جبلّت اور اللہ عزّ و جل کی عبادت اُن کا شغل ہے۔ خُدا کی محبّت کی آگ کو دل میں روشن کیے ہوئے اور ماسوی اللہ کو بالکل ہیچ جانتے ہیں زُہد و قناعت میں بے مثل اور صبر و استقامت میں ضرب المثل ہیں۔ دُشواروں کے حل کرنے میں ممتاز اور مہمات کے سرانجام دینے میں عالی ہمت ہیں۔ عقل و علم کے خزانے اور عفو و حلم کی کانیں ہیں۔ دوستی (محبّت) و وفا کے جامے اور پاکدامنی و حیا کے

چشمے ہیں۔ تمام خلقت پر رحیم اور رابطۂ تعلقاتِ علائق میں کریم ہیں۔ ہر بیگانے کے دوست اور ہر گھر کے لیے مثل ہُما ہیں۔ (خدا کی راہ سے) بھاگنے والے کے پیچھے دَوڑتے ہیں (کہ اس کو راہ پر لائیں) اور ہر ایذا دینے والے کے لیے اسے نیک بنانے کی فکر میں ہیں۔ بہادر سخاوت کے ابر اور گلستانِ جوانمردی کی بہار ہیں۔ بیشۂ شجاعت کے شیر اور میدانِ کارزار کے دلیر ہیں۔ راست گو سیر چشم اور دُشمن کو دوست بنانے والے ہیں۔ مکارمِ اخلاق میں یگانۂ آفاق اور طالبانِ حق کے عاشق و مُشتاق ہیں اور یہی اوصاف لفظ ولایت کا ماحصل ہیں۔

ولایت کے شعبے

اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ولایت کے مرتبے کے تین شعبے ہیں۔ اوّل معاملاتِ صادقہ مثل الہام، تعلیم، تفہیم غیبی اور حکمت۔ دوم مقاماتِ کاملہ مثلاً محبت، خوف، توکل، رضا، تسلیم، صبر، استقامت، زہد، قناعت، تفرید، تجرید۔ سوم اخلاقِ فاضلہ مثلاً بلند ہمتی، وفورِ شفقت، حلم، حیا، محبت، وفا، صدق، صفا، سخاوت اور شجاعت وغیرہ۔

پس ولایت کے منصب کو انہی تین شعبوں سے مرکب کیا جاسکتا ہے اگرچہ یہ منصب بتمامہ خاصانِ بارگاہ کو حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ آیت اس پر دال ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یونس)	بیشک اولیاء اللہ کو کوئی خوف و غم نہیں ہے۔ اور یہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کی۔

انبیاء کی ولایت کا کمال لیکن ان بزرگوں کی ولایت دوسرا رنگ رکھتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت اپنے خاص خزانے سے دو بڑے کمالات انہیں عطا فرماتا ہے اور ان ہر دو کمالات کو مذکورہ بالا تمام کمالات پر حاوی کر دیتا ہے۔ پس اُن کا ہر کمال اولیاء اللہ کے کمالات سے ممتاز اور ایک دوسرے رنگ میں ظاہر ہوتا ہے (وہ دو کمال یہ ہیں اوّل بندگی دوم پاک دامنی

۱۔ بندگی (عبودیت) سے مُراد یہ ہے کہ یہ حضرت باوجود ان کمالات کے حصول کے اپنے ذاتی نقص کو ملحوظ رکھتے اور ان کمالات کو مانند لباس مستعار کے جانتے اور دن رات کی گردش کی طرح پہچانتے ہیں۔ ہمیشہ فضل الٰہی کو مدّنظر رکھتے ہیں۔ اور ہر حال میں اُس کا شکر بجا لاتے ہیں۔ اپنے تیئں بندگی کی حد سے کبھی باہر نہیں نکالتے اور ہمیشہ ادب کے راستے پر چلتے اور ذرا سی بھی گستاخی اور شوخ چشمی کو روا نہیں رکھتے۔ اور ناز و ادا کی کسی قسم کو خیال تک میں نہیں لاتے۔ نشہ آور اشیا اور بیہودہ باتوں سے بیزار اور بیہودگی و مستی سے محترز رہتے ہیں۔ ہمیشہ بندگی کے راستے پر چلتے ہوئے کثرت سجود میں مشغول رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو بندۂ عاجز تصور کرتے ہوئے خداوند تعالیٰ کے تمام احکام کو بے چون و چرا مانتے ہیں اور اللہ کے کاموں میں موشگافیاں نہیں کرتے مٹّی کی طرح خاموش ہیں اور آگ کی طرح بھڑک نہیں اٹھتے۔ تجرید و تفرید کے مقام میں بندگانِ خدا سے متنفّر نہیں ہوتے، حق دار کے حقوق تلف نہیں کرتے۔ بے عقل لوگوں کی مانند ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھے رہتے اور ادب کے طریقے کو جس کے معنی رعایتِ اسباب کے ہیں۔ ہرگز نہیں چھوڑتے۔ باوجود مناجات کی لذّت کے گمراہ انسانوں سے مُنہ نہیں پھیرتے بلکہ اوقات مناجات میں خلل گوارا کر کے اُن کی ہدایت کے لیے ہمت صرف

کرتے ہیں۔ دینِ متین کی تبلیغ حسنِ اخلاق سے کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے میں سستی نہیں کرتے۔ سخاوت کو پسند کرتے ہوئے اسراف سے دُور بھاگتے ہیں۔ شجاعت، قوت اور غلبے کے وقت جوش و غضب کے متبع نہیں ہو جاتے۔ گویا ان کے افعال و اقوال بہ سبب اخلاق کاملہ کے سرزد نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام افعال خداوند تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں؟ مثلاً اگر کسی کو کوئی چیز بخشتے ہیں تو ہرگز اپنی سخاوت کو مشہور کرنے کا خیال نہیں کرتے بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کی خوشی حاصل ہو اور اگر کسی جگہ جنگ و جدل کرتے ہیں تو اپنی شجاعت کے خیال سے نہیں کرتے بلکہ اس میں رضائے الٰہی دیکھتے ہیں تو کمربستہ ہو کر دادِ شجاعت دیتے ہیں ورنہ کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اسی طرح تمام معاملات پر غور کر لیجئے پس گویا کمالات مذکورہ تسبیح کے دانوں کی طرح متعدد اور بکثرت ہیں۔ لیکن اصل میں اسی رشتۂ عبودیت نے سب کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔

۲۔ عصمت اس کا معنی (مُراد) یہ ہے کہ اُن کے اقوال و افعال، عبادات و عادات، معاملات و مقامات اور اخلاق و احوال ہیں۔ حق تعالےٰ اُن کو مداخلتِ نفس و شیطان اور خطاء و نسیان سے اپنی قدرت کاملہ سے محفوظ رکھتا ہے اور محافظ ملائکہ کو ان پر متعین کر دیتا ہے۔ تاکہ بشریت کا غبار اُن کے پاک دامن کو آلودہ نہ کر دے اور نفسِ بہیمیہ اپنے بعض امور اُن پر مسلط نہ کر دے۔ اور اگر قانونِ رضائے الٰہی کے خلاف اُن سے شاذ و نادر کوئی امر واقع ہو بھی جائے تو فی الفور حافظ حقیقی اس سے انہیں آگاہ کر دیتا ہے اور جس طرح بھی ہو سکے غیبی عصمت ان کو راہِ راست کی طرف کھینچ لاتی ہے۔

ولایت نبوّت میں اولیاء کا حصّہ مذکورہ بالا درجاتِ ولایت جو عبودیت اور عصمت کے رنگ سے رنگین ہیں اس کو ولایتِ نبوت کہتے ہیں۔ پس ولایتِ نبوّت منصبِ نبوّت سے علیحدہ ہے۔ اس لیے منصبِ نبوّت، نبوّت ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگرچہ ولایتِ نبوّت اصالتاً انبیاء علیہم السّلام ہی میں پائی جاتی ہے لیکن بعض اکابر اولیاء کو بھی بہ سبب اتباعِ انبیاء اس سے حصّہ مل جاتا ہے۔ چنانچہ اس دعویٰ کے دلائل کتاب و سُنّت سے عنقریب مذکور ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۳) حقیقتِ بعثت

انبیاء کی بعثت انبیاء علیہم السلام ہر خاص و عام کی طرف تبلیغِ احکام کے لیے مبعوث ہوتے ہیں بعثت ظاہری یا بعثتِ انبیاء کی ایک ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک باطنی۔

اِس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ حق جلّ و علیٰ کی طرف سے تبلیغی احکام بذریعہ وحی یا الہام اُن تک پہنچتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ رحمت اور شفقتِ بے پایاں اُن کے دِل میں اللہ تعالیٰ القا فرما دیتے ہیں جیسا کہ ماں باپ کی شفقت و محبّت اولاد کے حق میں ہوتی ہے۔ پس جبکہ بیٹوں کی گستاخی اور آوارگی ماں باپ کو مُضطرب کرتی ہے تو ان کے سنوارنے کے لیے والدین اپنی جان و مال کا نقصان اپنے لیے گوارا کرتے ہیں کہ اُن کی راحت کو اپنی راحت اور اُن کے رنج کو اپنا رنج تصوّر کرتے ہیں بے شمار جدّ وجہد سے اُن کی بہبودی کے خواہاں رہتے ہیں ہمیشہ اُن کے نفع کی کوشش کرتے ہیں اور

چارو ناچار اور جُوں توُں انہی کے پیچھے چلتے ہیں۔ خواہ بادشاہ وقت کی طرف سے اِس خدمت کے لیے مامور ہوں یا نہ ہوں۔ مزید ترقّی اگر بادشاہ کی طرف سے بھی مامور ہوں اور کوشش بھی کریں۔ اِتنی کوشش کے باوجود تعلیم و تادیب کا اثر اولاد میں ظاہر نہ ہو تو بے حد شکستہ خاطر اور مُضطرب ہوتے ہیں۔ اگرچہ اپنی طرف سے کام نباہ دیا اور مقرّرہ خدمت کے حق کو بھی ادا کر دیا مگر جب بہ تقدیرِ الٰہی وہ امر پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تو گو وہ جانتے ہیں کہ کسی طرح عتاب بادشاہ ہم پر نہ ہوگا اور نہ ہم پر کوئی قصور عائد ہوگا اگرچہ بادشاہ ان کی محنت و مشقّت پر بصد زبان اُن کی تحسین و آفرین کرے تو بھی اُن کے دِل سے پریشانی اور ملال دُور نہ ہوگا۔

اِسی طرح انبیاء علیہم السّلام کو اپنی قوم کے ساتھ شفقت کاملہ ہوتی ہے اور قوم کا ضلالت و گمراہی کے بھنور میں سرگشتہ ہونا اُن کے دِل کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے اور اُن کے پاک نفس کو قسم قسم کے رنج و ملال دامنگیر ہو جاتے ہیں۔ اور باوجود کہ خداوند تعالیٰ اُن کو تسلّی دیتے ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے :۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء)	شاید تُو اپنی جان کو ہلاک کر دے کہ وہ کیوں مومن نہیں ہوتے ؟

اور

اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝	تُو تو صرف سمجھانے والا ہے نہ کہ داروغہ (غاشیہ)

ان کی ہمّت میں کوئی کمی اور ان کی کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں ہوتی، کونسا رنج و غم ہے جو تبلیغ کے مقدّمے میں اپنی قوم سے اپنے اُوپر گوارا نہیں کرتے اور باوجود اِس کش مکش کے پھر بھی رنجیدہ خاطر نہ ہوتے اور ہر کس و ناکس کی گستاخ

کلامی کو معاف کرتے اور دُور و نزدیک کے سخت سے سخت سے درگذر کرتے ہوئے معاف فرما دیتے ہیں۔

کافاھم اللہ علیٰ ذٰلک احسن المکافات وجازھم اللہ احسن المجازات	بدلہ دے ان کو اللہ تعالےٰ اس پر اچھا اور جزا دے اُن کو نیک۔

پس اُن کی اِس رحمت کا ظہور ہی حقیقتِ بعثت ہے۔

بعثت باطنی یا بعثتِ اولیا یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بعض اوقات اہلِ کشف اور صاحب علم بھی ان اقوال و افعال یا بعض عادات و رسوم کے حُسن و قبح سے جو کسی قوم کے درمیان رائج ہوں نُورِ وہبی اور استدلال کسبی کے ذریعہ مطلع ہو جاتے ہیں اور قوم کو رحمت و شفقت کی بناء پر اس سے آگاہ کرتے اور مُستحسن امور کی طرف ترغیب دیتے ہیں اور امور قبیحہ سے ڈراتے ہیں۔

اِس بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ منصبِ بعثت تک پہنچتے ہیں بلکہ منصب بعثت اس وقت ثابت ہوگا جبکہ تادیب و تعلیم اور ترغیب و ترہیب کی خدمت اُن کے سپرد کی جائے گی مثلاً جو کوئی مقرّبانِ حضور بادشاہی سے ہوتا ہے۔ بیشک بادشاہ کی اِس آفرین و نفرین کو اپنے کانوں سے سُنتا ہے جو رعایا کے حق میں کی جاتی ہے اور وہ اپنے دوستوں کو ان کی خیر خواہی کے خیال سے مطّلع کر دیتا ہے۔ لیکن اِس بات سے اس کو محتسب شہر نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اِس لقب سے وہ اُس وقت ملقب کیا جا سکے گا جبکہ احتساب کی خدمت پر مامور ہو جائے جو شاہی فرمان سے مامور ہو وہی بنی ہے۔ لوگوں کی تربیت کے واسطے مبعوث شُدہ اور شخص ہے (وقتی نبی) اور لوگوں

کی مردودیت اور مقبولیت کا عارف اور اُن کے افعال کے حسن و قبح کا عالم یا ترغیب و ترہیب کے وعظ کا شاغل دُوسرا شخص ہے (یعنی اولیاء اللہ وغیرہ) وہ اوصاف جو گذشتہ ہر سہ تنبیہات میں مذکور ہیں وہ سب اُن کے کمالات کی شرح ہیں اور جو دُوسری تنبیہوں میں مذکور ہو گا وہ ان کی تکمیل کی شرح ہے۔

(۴) حقیقتِ ہدایت

ہدایت کا ظہور یاد رہے کہ ہدایت انبیاء کے معنی ان کی سیادت کے اثر کا ظہور ہے۔ جو وجاہت کے بیان میں مذکور ہُوا اور سیاوت کے معنی ان کی وساطت ہے جو اللہ رب العزت اور اس کے بندوں کے درمیان فیض غیبی سے ہدایت یاب کر کے حلقۂ مقبولین میں داخل کر دیتی ہے۔

ہدایت کے طریقے اِس مقام پر غور طلب امر یہ ہے کہ کس طریقے اور وجہ سے ان سے ہدایت صادر ہوتی ہے۔ اِن کا بیان یُوں ہے کہ انبیاء کی بعثت سے مقصود یہی ہے کہ بندگانِ خُدا اقوال و افعال، عبادات و رسوم اور معاملات میں انہی کی طرح مؤدب اور اخلاق میں اسی طرح کے مہذب ہو جائیں۔ اور مقامات و ارادات میں اسی طرح استقامت حاصل کریں اور علوم و اعتقادات میں ویسا ہی رسوخ پیدا کریں۔ تاکہ انہیں دُنیا میں حصولِ معاش کے ذرائع اور آخرت میں بہبودی حاصل ہو اور نسبت مع اللہ کا معاملہ ان پر کھُل جائے۔ مگر حسن معاد اور نسبت مع اللہ کا معاملہ انہی کی نظر اور ذات سے ملحوظ اور انتظام معاش ان کے اتباع سے مخصوص

ہے پس جو چیز کہ نفع معاش اور مضر معاد ہوگی اس کے مانع ہونگے اور اگر برعکس ہوگا تو اس کا امر فرمائیں گے۔ جیسا کہ خمر و قمار کے حق میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے۔

(اے پیغمبر) اور آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں (تو) آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے آدمیوں کو (اس سے) نفع بھی پہنچتا ہے مگر ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔	وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرة)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کہ شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔	انما الخمر لیس بدواءٍ ولٰکنہ داءٍ

اس کلام ہدایت التیام سے شراب کی اچھی تاثیروں کا ابطال نہیں ہے بلکہ اس سے اس کا ضرر بیان کرنا مقصود ہے جو آخرت میں ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہُوا کہ شراب اگرچہ بعض جسمانی بیماریوں کی دوا ہے لیکن وہ دوا جو روحانیت کو فنا کرنے والی ہے وہ دوا نہ ہوگی بلکہ وہ ایک مُہلک مرض شمار ہوگی لہٰذا شراب اور جوا بھی رُوحانیت کے واسطے مُہلک امراض میں سے ہیں۔

فنونِ ہدایت کی اقسام بالجملہ انبیاء علیہم السلام اِن تین فنون سے ہدایت فرماتے ہیں۔ اوّل فن عقائد۔ دوم فن احکام۔ سوم فن اخلاق۔

بُزرگانِ دین کے فضائل کا فن عقائد کا شعبہ ہے مگر فضائل اعمال کا فن فنِ احکام اور فنِ مقامات وارادات فنِ اخلاق کا شعبہ ہے۔ پس ان عقاید کو ایمان کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں تو فنِ احکام کو اِسلام سے اور فن اخلاق

کو احسان سے ملقّب کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تینوں امور آخرت کے لیے بکار آمد ہیں۔ رہے تصوف کے حقائق اور فلسفہ کے دقائق کے علوم، کنہ جویانِ دقیقہ شناس کے اشارات اور چرب زبانانِ تکلّف کیش کے کنایات، سو ان کی ہدایت سے ان کو بحث نہیں ہے۔ بلکہ ان امور کی سادگی کو ترجیح دیتے ہیں اور اُن کی طلب کو جملۂ آوارگی سے شمار کرتے ہیں۔ اور فنِ تاریخ اور شعر بازی کو بے معتمد داستانوں سے جانتے ہیں خواہ تمثیل کے طور پر کبھی اس سے کام لیا بھی گیا ہے۔

تربیت روحانی حاصل کلام یہ کہ تربیتِ روحانی میں اُن کا حال طبیب کی مانند ہے جو معالجہ جسمانی میں مریض کی اصلاح کو مدّنظر رکھتا ہے اور زائد گفتگو کو لغو جانتا ہے مثلاً کسی مریض کو سنائے مکّی کا استعمال فرماتا ہے تو اس قدر بیان کر دیتا ہے کہ برگِ سنا اس طرح کے ہوتے ہیں اِن کو کوٹ چھان کر تھوڑا سا شہد ملا کر کھالو۔ یہ بیان نہیں کرتا کہ سناء کس مقام پر پیدا ہوتی ہے اور کس موسم میں پتے لگتے ہیں اور تاجرانِ اَدویّہ اسے کیونکر لاتے اور کس برتن میں رکھتے ہیں کس راہ سے لاتے اور کیونکر اس کی تجارت کرتے ہیں۔ اور نہ یہ بیان کرتا ہے کہ شہد مکھیوں کے چھتّوں سے کیونکر پیدا ہوتا ہے اور نباتاتِ مختلفہ کے رنگ و بو جو کہ شہد کا اصل ہوتے ہیں کہاں جاتے ہیں۔ اور سنا کے اجزا کوٹنے اور چھاننے سے کس قدر باریک ہوتے ہیں۔ کیا رائی کے دانے کے برابر ہوتے ہیں یا اس سے باریک یا شہد ملانے سے کیونکر ہو جاتے ہیں۔ کیا انگوٹھے سے ملانا چاہیے یا اُنگشتِ شہادت سے۔ غرضکہ اس قسم کی باتیں طبیب کی نظر میں محض پریشانی ہے اور ان باتوں کے گرد ہونا مریض کے لیے سراسر نادانی۔ اِس طرح بے حاصل تحقیق اور بے انتہا تدقیق علم اخلاق کے احکام میں حق

جو یوں کے لیے صرف آوارگی ہے بلکہ سراسر دیوانگی جس کسی کو اللہ رب العزت
نے اپنی حکمتِ بالغہ سے عوام الناس کی ہدایت کے منصب پر متقرر کیا ہو اس
سے اِس طرح کی قیل وقال ناممکن اور محال ہے۔ اِس مقام پر اچھی طرح سے
غور کرنا چاہیے اور نائبانِ حکیم مطلق و ہادیانِ راہ حق اور سخن ساز لوگوں اور
حیلہ ساز چرب زبانوں کے درمیان اچھی طرح سے امتیاز کرنا چاہیے۔

ہدایت کے طریقے اور جس طریقے سے انبیاء علیہم السلام سے
ہدایت حاصل ہوتی ہے اِس کا بیان یوں ہے کہ اِس ہدایت کا وقوع عموماً
پانچ طرح پر ہوا ہے۔ اوّل نزولِ برکت۔ دوم عقدِ ہمت۔ سوم فیضِ صحبت
۔ چہارم خرقِ عادات۔ پنجم اظہارِ دعوت۔

(۱) **نزولِ برکت** کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا وجود پُر جود
آفتابِ عالمتاب کے مانند ہے جیسے کہ اس کا نور تمام جہان میں پھیلتا ہے تو
لازمی ہے کہ رات کی تاریکی دور ہو جاتی ہے اور جو چیز آفتاب کے سامنے ننگی پڑی
ہو تو اس کی تپش سے گرما جاتی ہے اور تاریکی سے پاک ہو جاتی ہے۔ مگر جو چیز گھر
کے اندر سورج سے پوشیدہ ہو اس کے نور سے محروم رہتی ہے رات کی
تاریکی اِس کے نور سے معدوم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا لطیف نور تاریکی
کے رگ وریشہ میں سرایت کر کے اسے ظلمت کی حد سے نکال دیتا ہے۔
اگر گھر بغیر دروازہ کے ہے تو سراسر تاریکی سے پُر ہے۔

یا برسات کے مانند سمجھنا چاہیے کہ جب یہ موسم پہنچتا ہے تو نباتات
میں قوّت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو کچھ ابر بھیجنے والے نے اِس پر برسایا اس سے رنگا
رنگ کے پھول کھلے اور نہ رطوبت ہو اسے اس کا حال متغیر ہو جاتا ہے سبزی
اور تازگی اِس میں نمودار ہوئی۔ ہاں سنگلاخ زمین میں کوئی پھول اور کانٹا

نہیں اُگتا۔ اور بے شک لکڑی سے کوئی شخص برگ و بار طلب نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح جب یہ بشری لباس والے پاک لوگ اور جنسِ انسان کے کروبیاں فلک الافلاک کی بلندی سے اِس تیرہ وش خاک پر نزول فرماتے ہیں تو ان کے ہمراہ ایک برکت نازل ہو کر افرادِ بنی آدم کے دِلوں میں داخل ہوتی ہے اور ہر سعادت مند کے دِل میں خود بخود طلبِ حق جوش مارتی ہے۔ لوگ ہر واعظ کی گفتگو پر کان رکھتے ہیں۔ اعمالِ شاقہ کے لیے دِلوں میں ہمت پیدا ہوتی ہے اور رنج و تکلیف اُٹھانے کا عزم ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے نزول کے وقت بہت سے علماء اپنے علم کو افسانے کے مانند جاننے لگتے ہیں اور اس کو افسانوں کی طرح اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ اچانک اپنے فہم کی حقیقت سے بیدار اور مقصدِ علم کے حصول کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ عمل کو علم کا ضمیمہ اور اخلاق کو فہم کا نتیجہ بناتے ہیں۔ سخن آرائی کے تعمق سے بیزار اور انجمن پیرائی کے تکلف سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اور بہت سے خلوت گزیں زاہد اور چِلہ نشین درویش ہوتے ہیں کہ اپنے پوشیدہ مفاسد سے آگاہ ہو کر نفسِ امارہ کی اصلاح میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ جاہ و مرتبہ کی محبت کو پسِ پُشت ڈالتے اور عزوجل کی رضا کو پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ اور اپنے تمام نام و نشان کو اِس راہ میں کھو دیتے اور اپنے آپ کو مردانہ وار اِس دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ یہی چرب زبان واعظ ہوتے ہیں کہ منبروں پر پکارتے اور اپنی تمام کوشش کو برباد کرتے ہیں۔ کوئی اُن کے وعظ کو خیال تک میں نہیں لاتا اور اُن کے کلام کو ایک جو کی قیمت کا شمار نہیں کرتا۔ پھر جب طلبِ حق ہر کس و ناکس کے دِل میں جوش مارتی ہے تو اُن کی ایک ایک بات کو گوشِ ہوش سے سُنتے اور اُن کا ہر ایک کلمہ سامعین کے دِل پر تیر کے مانند بیٹھتا ہے اور ہر شخص اُن کو پیروں کے مانند ماننے لگتا ہے۔

حاصل مطلب یہ کہ کلمۃ اللہ ہر ایک کے دل میں جوش مارتا اور ہر ایک زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ ہر محفل میں یہی گفتگو اور ہر مجمع میں یہی بحث و تکرار ہوتی ہے۔ ہاں جو کہ شقیِ ازلی ہو، اس سعادت سے محروم اور ہر حال میں مذموم ہے۔

اِس انتشار اور ظہور برکت کو نزول امانت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان الامانۃ تنزل فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من الکتب ثم علموا من السُّنۃ	امانت کا نزول اصل قلوب بندگان پر ہوتا ہے اور وہ اسے قرآن وحدیث سے معلوم کرتے ہیں۔

اور کلامِ حق اس شخص کے لیے نافع ہوتا ہے کہ جس کے دل میں پہلے ہی برکت کا نزول ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (یٰس)	تم اُسے ڈراؤ جو سمجھانے پر عمل کرے اور بن دیکھے رحمٰن سے ڈرے۔

اور فرمایا

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (اعلیٰ)	اگر تبلیغ کا کام کرنا ہے تو لوگوں کو سمجھاؤ۔

پس اِسی برکت کو ان ہر دو آیات میں ڈر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۲) عقد ہمت اِس کمال کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔

ظاہر اس کا تو یہی ہے کہ جو انبیاء علیہم السلام سے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے اللہ رب العزت اور کبریائے بلند عظمت کے حضور میں دُعا اور التجا کے طریقے سے صادر ہوتا ہے عمومی طور پر ہو یا خصوصی طور پر۔ یعنی تمام امت کے

لیے ہو، یا محض اپنی امت کے بعض افراد کے حق میں۔ پس حقیقت اس کی یہ ہے کہ ان کی توجہ قلبی اُمت کی ہدایت کے لیے کمال رغبت سے ہوتی ہے، عام ہو یا خاص۔ اور یہ غیبی شفقت کا اثر ہوتا ہے جو مقام بعثت میں پہلے مذکور ہو چکا۔ پس جیسا کہ مہربان باپ کی کوشش بیٹے کی اصلاح کے لیے ہر وقت مصروف رہتی ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کی ہمت تمام نیک و بد کی اصلاح کے لیے ہمیشہ مبذول ہوا کرتی ہے۔ اور یہ دعائے حالی ہے کہ انہی کی ذات سے ہمیشہ لازم ہے۔ پس گویا کہ ان کا وجود بُرجود تمامتر ایک مجسم دعا ہے۔

باطنی عقد ہمّت یہی دعائے حالی ان کو کبھی دعائے مقالی کی طرف کھینچ لاتی ہے اور یہ دعا و التجا کی اقسام ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ اور یہ روحانی دعاء تین طرح سے اُمت کے دلوں میں ہدایت کے ظہور کا باعث ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ دعا ایک خاص شخص سے کمال صدق و اخلاص سے ظاہر ہوتی ہے اور انبیاء کی دعا بلاشک مقبول اور مُستجاب ہے۔

دوم حکیم مطلق نے اپنی کمال حکمت اور کامل قدرت سے یہی طریقہ عالم خلق و تکوین میں جاری فرمایا کہ ہمت قویّہ کے انعقاد کو موجودہ اشیا کی ایجا میں اثر بخشا۔ چنانچہ نظر بد، حسد، دعا اور افسون کا اثر اسی قسم سے ہے۔ پس جبکہ ناتوانوں کی ہمت کو اس قدر اثر بخشا تو بلند ہمتوں کے اثر کو کس حد تک جاننا چاہیے۔

سوم کہ ان بزرگانِ بارگاہ کے دِلوں میں ہمتِ قویّہ کا جوش زن ہونا نفسانی خواہشوں اور شیطانی وسوسوں سے نہیں ہے بلکہ احکام ربانی اور الہام رحمانی سے ہے۔ کیونکہ اُن کی بعثت دریائے رحمت کا ایک ہیجان ہے

جس نے تشنگانِ راہ ہدایت کی دستگیری کے لیے جوش مارا۔ پس ان کے دل سے ہمت کا جوش مارنا رحمتِ رحیم مطلق کی توجّہ کی علامت ہے۔ جو اپنے بندوں کی طرف ہوئی۔ چنانچہ آیات ؛۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (انبیاء)	تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اور

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ (آل عمران)	اللہ تعالےٰ نے لوگوں کی اپنی جنس سے رسُول پیدا کر کے مومنین پر احسان کیا۔

انہی معنوں پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) **ظاہری فیض صحبت** کا بیان یہ ہے کہ اس کی بھی ایک ظاہریت ہے اور ایک حقیقت۔

ظاہر یہ ہے کہ فیضِ صحبت سے دُو طرح پر ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

اوّل یہ کہ جو کوئی کسی کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس کے کلام کو بالمشافہ سُنتا اور اس کے رُوبرو فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے بیٹھتا ہے اور اس کے اوضاع و اطوار، عبادات و عادات اور معاشرات و معاملات کو غور سے دیکھتا ہے تو پھر یقیناً اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی مزاج دانی اور مرض شناسی کے سلیقے پر غور کرتا ہے اور مناسب اور غیر مناسب اور پسندیدہ و ناپسندیدہ کی اسی سلیقے سے تمیز کرتا ہے۔ اور اس کے محلِ کلام سے آگاہ ہو کر مقامات و موارد کلام کو بخوبی جاننے لگتا ہے۔ بہت سے معانی ایسے ہیں جن کا حصول صرف نفسِ کلام سے نہیں ہوتا۔ اور جب ماضی و مستقبل

کو دیکھا جاتا ہے اور متکلم و سامع کے کلام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے تو وہی معانی
کلام کا مفہوم ہوتے ہیں۔ غرضیکہ عاقل ہمنشیں کو اپنے رئیس کے حالات
و عادات سمجھنے کے مقامات میں ملکۂ اجتہاد حاصل ہو جاتا ہے۔

دوم یہ کہ جب ان بزرگوں کے پیرو اور طالبانِ حق احکام رب العالمین
کے بارے میں اُن کی نہایت درجے کی استقامت اور دینِ متین کے حقوق کی
ادائیگی میں کمال درجہ کی سبقت اور بلند ہمتی کا حال دیکھتے ہیں تو ان کے
دِل میں بھی نہایت درجہ رغبت پیدا ہوتی ہے اور ان کا وعظ و کلام اور
بیان اُن کے دِل میں جاگزین ہوتا ہے۔ اور جو شخص کہ دُوسروں کو کسی امر کی
دعوت دے اور اپنے آپ کو اس کا عامل نہ بنائے تو سُننے والے اس کے
کلام کو افسانۂ بے مغز سمجھتے ہیں اور ان کے مضامین کو ایک شعر بازی جانتے
ہیں۔ چُنانچہ آیہ کریمہ اِنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ (شعرا) (وُہ، وُہ بات
کہتے ہیں جس پر خود عامل نہیں) اُن کے حال کا اظہار کرتی ہے اور اِسی واسطے
قرآن پاک میں بے عمل واعظوں پر بہت ملامت کی گئی ہے۔ جیسا کہ
ارشاد ہے۔

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ	لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے
اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (البقرہ)	آپ کو اسکے عمل سے بھلا دیا ہے حالانکہ تم کتاب اللہ پڑھتے ہو۔ کیا تم خود نہیں جانتے؟

اور فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا	اے ایمان والو! تم جو خود نہیں کرتے وُہ لوگوں کو کیوں بتاتے ہو۔ یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے کہ جو خود نہ کرو وُہ

تَفْعَلُوْنَ (صف)	دوسروں کو بتاؤ۔

بے عمل واعظ طالبِ حق کے لیے سدِّراہ ہے۔ کیونکہ کلامِ حق پر خود عمل نہ کرنے کے سبب لوگوں کی نظر میں کلامِ حق کو بے اعتبار کرتا ہے۔ جب خود ہادی عمل کرنے میں پورا ہو اور رنج وغم برداشت کرنے میں لوگوں سے سبقت کرے تو یقیناً لوگ بھی اس کے اتباع میں بقدرِ استطاعت کوشش سے نہیں ہچکچاتے اور اپنی کم ہمتی کے عیب کو جوں توں کر کے تکلف سے چھپانا چاہتے ہیں۔ جبکہ وہ میرِ قافلہ کو آگے آگے چلتا دیکھتے ہیں تو وہ خود بھی کشاں کشاں ان کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ اِسی واسطے حق جلّ وعلا پہلے اپنے انبیاء کو ہی تبلیغ کے کام پر مامور فرماتا ہے اور پھر اس کے بعد دوسروں کو اس کی طرف ترغیب دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ (النساء)	اللہ کے راستے میں خود جنگ کرو۔ نہیں ہے تکلیف کا ذمہ مگر تیری اپنی جان کا مومنین کو بھی جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دلا۔

باطنی فیضِ صحبت یہی ادراک فیضِ صحبت کی ظاہراً صورت ہے۔ اور فیضِ صحبت کی حقیقت کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رُوح گلشنِ ملکوت کا ایک گلدستہ اور آتشِ جبروت کا ایک تُند شُعلہ ہے۔ پس جیسا کہ کِسی محفل میں گلدستہ رکھا جاتا ہے اور حاضرینِ مجلس ہر طرف سے اس کی طرف دیکھتے ہیں تو بے شک اِس کی دلآویز خوشبو ہر ایک کے دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور رُوح کو فرحت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ البتہ اگر کسی پر زکام کا غلبہ ہو تو وہ اس کی لذت کے ادراک سے محروم رہتا ہے۔ اِسی طرح

اگر کسی محفل میں شمع روشن ہو تو اس کا نور ہر کس و ناکس تک پہنچتا ہے۔ اگر شیشہ سامنے ہو تو وہ بھی اسی کے نور سے تابناک ہو جاتا ہے بلکہ یہاں تک چمکنے لگتا ہے کہ وہ خود بھی دوسروں پر روشنی ڈالنے لگتا ہے۔ اگر آئینہ نہ بھی ہو تو بھی وہ چیز ظلمت سے گھپ نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تمام محفل نور سے پُر ہے اور ہر شخص اس کے دیکھنے سے مسرور مگر جو کوئی اندھا ہے وہ اس کی نور افشانی سے بے بہرہ رہتا ہے۔ اسی طرح ان بزرگوں کے ہمنشینوں کا دل لذتِ صحبت سے مسرور اور قوتِ ایمانی سے معمور ہوتا ہے۔ جو نور اُن کے دلوں میں ہدایت کے انوار سے چمکتا ہے اُس کا عکس ہمنشینوں کے دلوں کو آرائش دیتا ہے۔ عظمت اور کبریائی کی بجلیاں اُن کے دلوں میں چمکتی ہیں تو اُن کے ہمنشینوں کے دل ڈر اور ہیبت سے کانپتے ہیں۔ تفرید و تجرید کی آتش اُن کے دلوں میں روشن ہوتی اور ہمنشینوں کی بشریت کی آلائش کو اس سے جلا ہوتی ہے۔ ابرِ رحمت اُن پر برستا ہے اور ہمنشینوں کے پودے اِس سے برگ و ثمر لاتے ہیں۔ چنانچہ یہ معنی متعدد احادیث میں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ

نکون عندك تذکرنا بالنار و الجنة کانّا رای عین فاذا خرجنا من عندك عافسنا الازواج والاولاد والضیعات نسینا کثیرا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والذی نفسی	جب ہم آپ کی صحبت میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں دوزخ جنت کا ذکر سناتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے کہ گویا ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور جب ہم آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں اور کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہم اسے بھول جاتے ہیں۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

بيده لو تدومون على ما تكونون عندي وفي الذكر لصافحتكم الملٰئكة على فرشكم وفي طرقكم

قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تمہارا حال ہمیشہ وہی رہے جو میرے پاس اور ذکر کرنے میں ہوتا ہے تو راہوں اور بستروں پر فرشتے تم سے مصافحہ کریں۔

اور روایت ہے :-

قال اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم اعرابي وقال جهدت الانفس وجاع العيال ونهكت الاموال وهلكت الانعام فاستسق الله لنا فانا نستشفع بك على الله ونستشفع بالله عليك فقال النبي صلى الله عليه وسلم سبحان الله سبحان الله فما زال يسبح حتى عرف ذلك في وجوه اصحابه۔

یعنی کہا گیا ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا ہماری جانوں پر تنگی ہے اور اہل و عیال بھوکے مر رہے ہیں اور مال گم ہو گئے اور جانور ہلاک ہو گئے پس آپ اللہ سے ہمارے لیے بارش مانگیے۔ ہم تمہاری سفارش اللہ پاک کے پاس لے جاتے ہیں اور اللہ کی سفارش آپ کے پاس لاتے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا سُبحان اللہ سُبحان اللہ اور اس قدر تسبیح کی کہ اس کا اثر صحابہ پر ہُوا (الحدیث)

ایک اور روایت ہے :-

عن بعض الصحابة انه قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم جاء الى مقبرة فجلس فجلسنا حوله

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ قبرستان میں تشریف

وكان على رؤسنا الطير وقال النبي صلى الله عليه وسلم خيار عباد الله من اذا رأوا ذكر الله۔

لے گئے اور وہاں بیٹھ گئے اور ہم گرداگرد خاموش بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں سے بہتر وہ بندہ ہے کہ جب اُسے دیکھیں تو اللہ یاد آجائے۔

ایک اور روایت ہے :-

ورُوِیَ عن صحابۃ انھم قالوا کنا ندافن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بایدینا والایمان یطیر من قلوبنا

بعض صحابہؓ نے کہا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنے ہاتھوں سے دفن کر رہے تھے تو ایمان ہمارے دلوں سے اُڑا جا رہا تھا۔

الغرض یہ ہدایت جو فیض صحبت سے حاصل ہوئی ہے۔ ایک لمبا چوڑا ذکر ہے کہ اس کی تفصیل اِن چند اوراق میں مُشکل بلکہ نا ممکن ہے۔ بنا بریں اِن چند کلمات پر اکتفا کیا ہے۔ اِس قدر مسئلہ پر تو اجتماع ہے کہ صحابہ کبارؓ اگرچہ بعض اُن میں سے مرتبۂ اجتہاد اور منصبِ ولایت تامہ نہ رکھتے تھے۔ لیکن اُمّت میں افضل ہیں۔ اِسی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ ہر صاحبِ کمال کے ہمنشین اِس صاحبِ کمال کے تمام متبعین سے افضل ہیں۔ پس وُہ ہدایت جو فیض صحبت سے حاصِل ہوتی ہے بالضرور وُہ دیگر اقسام سے افضل ہے۔

(۴) **خرقِ عادت** کا بیان ہے کہ اللہ رب العزت اپنی قدرت کاملہ سے انبیاءِ علیہم السلام کی تصدیق کے لیے کوئی ایسا امر ظاہر فرما دیتا ہے کہ جس کا ظہور اُن سے نا ممکن معلوم ہوتا ہے خواہ اِس چیز کا ظہور کسی اور شخص

سے ممکن ہی ہو۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ بعض چیزوں کا وجود قانون الٰہی
کے موافق اُن کے اسباب و آلات پر موقوف ہوتا ہے۔ پس جو کوئی ان چیزوں
کے اسباب و آلات رکھتا ہے اِس سے ان چیزوں کا ظہور خرقِ عادت سے
نہیں ہے۔ اور جو کوئی اُن کے اسباب و آلات نہیں رکھتا اگر اس سے اس کا
ظہور ہو تو یہی خرقِ عادت ہے۔ مثلاً اگر کاتب لکھے تو یہ خرقِ عادت نہ ہو
گا اور اگر اُمّی آدمی لکھے تو یہ خرقِ عادت ہوگا۔ اور اَوزاروں سے کسی کو
قتل کرنا یہ خرقِ عادت نہیں ہے مگر صرف دُعا سے کسی کو مار ڈالنا خرقِ
عادت ہے۔

خرقِ عادت کی اصلیت پس اِس بیان سے واضح ہُوا کہ یہ
ضروری نہیں کہ ہر خرقِ عادت طاقتِ بشری سے باہر ہے بلکہ اسی قدر لازم
ہے کہ صاحبِ خارقہ سے اِس چیز کا ظہور بوجہ فقدانِ آلات و اسباب ہو۔ پس
بہت سی چیزیں ہیں کہ ان کا اظہار مقبولانِ خُدا سے خارقِ عادات سے سمجھا جاتا
ہے۔ حالانکہ اِس قسم کے فعل بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جادُوگروں اور اہلِ طلسم سے
ممکن الوقوع ہوتے ہیں۔ پس جس وقت کہ ایسے واقعات کے دیکھنے سے یہ
ثابت ہو جائے کہ یہ سحر و طلسم کی مہارت نہیں رکھتا تو پھر ایسے خوارق اس کے
صدق کی شہادت دیتے ہیں چنانچہ مائدہ کا نزول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے
مُعجزوں سے شمار کیا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ بہت سے جادُوگر نفیس اشیاء
از قسم میوہ جات و شیرینی وغیرہ شیاطین کی مدد سے حاضر کر لیتے اور اپنے دوستوں
اور ہمنشینوں میں فخر کرتے ہیں۔ مگر ان کو جادُو ہی کہا جائیگا برخلاف اِس
کے حضرت عیسیٰؑ سے ایسا ہونا معجزہ سمجھا گیا۔

خرقِ عادات کے ظہور کی وجہ جب خرقِ عادت کے معنی ظاہر

ہو گئے تو یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ معجزات کا ظہور کیوں ہوتا ہے؟ اس کا بیان یُوں ہے کہ خرقِ عادات کا ظہور بالذات اسباب ہدایت سے نہیں ہے۔ خواہ وہ بعض نیک بختوں کے لیے اتفاقاً ہدایت کا سبب ہو جاتا ہے بلکہ اِس کا ظہور بالذات ہونا اتمام حجت اور مخالفین مجادلین کی زبان بندی کے لیے ہوتا ہے اور گُستاخ و شوخ چشم لوگوں کی تادیب ہے اور پُر خشم دشمنوں کی تخویف کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا (بنی اسرائیل)	اور ہم نشانیاں (اور) کسی غرض کے لیے نہیں بلکہ ڈرانے کے لیے بھیجتے ہیں۔

کیونکہ ظاہر ہے کہ ہدایت کے معنی وہ نُور ہیں جو رحمت الٰہی سے ازلی نیک دِلوں میں مینہ کی طرح برستا ہے۔ اور اس کو محبوب حقیقی کی محبّت اور معبود تحقیقی کی اطاعت کے لیے برانگیختہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس کی محبت میں جان و مال کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کی اطاعت میں بہت تیز دَوڑتا ہے۔ یہ بات معجزات کے ظہور کے مشاہدے سے بہت کم حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص مناظرہ مجادلہ میں مُلزم و لاجواب ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں محبّت اور اخلاص بہت کم پیدا ہوتا ہے۔ ہاں حیران و سرگردان اور بے دست و پا گُم کردہ راہ ساکت ہو جاتا ہے۔

معجزات کس طرح رُونما ہوتے ہیں

اِس بیان سے واضح ہُوا کہ معجزات کا ظہور کبھی کبھی اچھا ہے ہر دفعہ اس کا ظاہر ہونا لوازم ہدایت سے نہیں۔ نیز واضح ہُوا کہ اگر کسی سے معجزات ظہور میں آئے اور مشاہدہ کرنے والوں سے کسی کو ہدایت نہ ہوئی تو اس کے منصب کے نقصان کا باعث نہ ہوگا۔ اور یہ بات کہ یہ معجزات کیونکر حادث ہوتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ حق جلّ وعلیٰ

اپنی قدرت کاملہ سے اپنے مقبولوں میں سے کسی مقبول کی تصدیق کے لیے عالم تکوین میں عجیب و غریب تصرّف کرتا ہے نہ یہ کہ خرق عادات کی طاقت کو اس مقبول میں ایجاد کر دیتا ہے یا اس کو اس کے اظہار کے لیے مامور کر دیتا ہے۔ حاشا و کلّا عالمِ تکوین میں تصرّف کی قدرت صرف خاصّہ قدرتِ ربانی ہے نہ کہ قدرتِ انسانی۔

(۵) **اظہارِ دعوت** کا بیان یہ ہے کہ حق جلّ و علیٰ اپنی حکمت کاملہ سے ان مقبولانِ بارگاہ کو مختلف مزاج کے لوگوں کی تربیت کا سلیقہ اور فصیح کلام اور بیان بلیغ کی قوّت مقدمہ ہدایت، ایضاحِ تقریر اظہارِ مافی الضمیر کے باب میں عطا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے داؤد علیہ السّلام کے حق میں فرمایا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص)	ہم نے اس کو حکمت اور فصل خطاب (خطابت) عطا فرمایا۔

حکمت سے مُراد یہی تربیت کا سلیقہ ہے۔ اور فصل خطاب کے معنی بیان بلیغ ہے۔ اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو ارشاد فرمایا ہے۔

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا (النساء)	ان کے نفسوں سے بلاغت سے بات کرو۔

انبیا اور عقلا کی دعوت میں فرق لیکن غور کرنا چاہیے کہ ہادیانِ مبعوث کی دعوت اور طرح ہوتی ہے اور دانشمندانِ فنون کی تعلیم دُوسری طرح، اِن کے درمیان تمیز کرنا دو طرح پر ہے۔

اوّل یہ کہ ان کی دعوت کا کلام محاوراتِ اہلِ عرف پر جاری ہوتا ہے جو کہ اپنے معاملات و مکالمات میں اس کو استعمال کرتے ہیں اور دانایانِ علمِ کلام و مصنفانِ کُتب کی اصطلاحات پر جاری نہیں ہوتا کہ اپنی تحریر و تقریر کو اس کی بنا پر کریں بہت سے مجازات ہیں جو حقیقت اور اصلیت کی نسبت

مشہور محاورات میں زیادہ تر رائج ہوتے ہیں اور بہت سی قیود اتفاقی ہیں نہ کہ احترازی۔ اور بہت سے تکرار ہیں جو محض تقریر و تاکید کے لیے ہوتے ہیں نہ کہ مضمون جدیدہ کے فائدہ کے لیے اور بہت سے مضمون ہیں کہ ان کے جزو سے بھی معانی نکل آتے ہیں اور ان سے کسی قدر قرائن حالیہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور بہت سے کلمات ہیں جو اپنی اصلیت سے نکل کر اور غلط العوام ہو کر ہر خاص و عام کی زبان پر رائج ہو جاتے ہیں اور اسی رائج طریقے سے کلام کرنا فصیح معلوم ہوتا ہے۔ اور اصلی قانون غیر فصیح ہو جاتے ہیں۔ الحاصل ان کی کلام دعوت کو تقریر و خطاب سے جاننا چاہیے۔ کہ اُسے تصنیفِ کتاب کا قانون سمجھا جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ تربیتِ قوم کے باب میں ان کا حال مہربان باپ کی طرح یا دانشمند اُستاد کی طرح ہوتا ہے۔ جو اپنی تربیت کی نظر کو بیٹے کے حال کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ جب کوئی غیر مناسب بات اِس سے ظاہر ہو جائے۔ تو اسے محبّت یا اُنس، ادب یا سختی، مشورے یا صلاح سے یا طبیعت و مزاج کے رنگ سے یا کنائے اشارے سے یا مناسب حال اشعار کی شعر خوانی سے یا بیان مثالی سے مثال دے کر یا کبھی گذشتہ عبرتناک قصے سُنا کر غرض جس طرح سے ممکن ہو اس نامناسب بات سے آگاہ کر دیتے ہیں اور اسی طرح سے جب اُسے عمل مستحسن کرتے دیکھتے ہیں۔ لیکن اُس کے طریقہ سے اُسے ناواقف پاتے ہیں۔ تو اسے اس کی ادائگی کے طریقوں سے خبردار کر دیتے ہیں۔ یا اس طرح بتاتے ہیں کہ اس کے رُوبرو اس فعل کو احسن طور پہ ادا کرتے ہیں تا کہ اسے دیکھ کر اس کے اصول سے آگاہ ہو جائے۔ غرض ان کے کلام کے اقسام، فضیلت کا ایک جُزو ہوتے ہیں پس ان سے دعوت تو اسی طریقے

سے ظاہر ہوتی ہے لیکن درسگاہوں کے معلّموں کی طرح نہیں ہوتی۔ جو تدریس علم کے لیے ایک وقت مقرّر کر دیتے ہیں اور اسی خاص وقت پر بیٹھ کر ابواب احکام کی تعلیم کے باب میں طہارت یا صلوٰۃ و زکوٰۃ کے مسائل کا دَورہ کرتے ہیں اور اسی قسم کے مسائل کو اس مجلس میں خواہ فرضی ہو یا واقعی، مسلسل طور پر شمار کرتے ہیں۔ یہ طریقہ دانشمندوں کا ہے، تربیت کنندوں کی روش نہیں ہے۔ ان کی دعوت کا فائدہ ان کے فیضِ صحبت سے مربُوط اور ان کے کلام کا کامل نفع ان کی بہت سی خدمت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کے نکات اور تکلّفات کے بیان سے متنفّر ہوتے ہیں۔ اُمّی ہونے کی شان اُن پر غالب ہوتی ہے اور تعمّق و تکلّف سے دور سادگی پسند اور بے تکلّف ہوتے ہیں۔

دعوت کے طریقے معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے لوگوں سے دعوت دو طرح سے ظاہر ہوتی ہے۔ اوّل بیان حکمت۔ دوم کلام موعظت۔

بیان حکمت کے یہ معنی ہیں کہ اللہ رب العزّت اپنی خاص رحمت سے ان کو قوّت بیان اس طرح عنایت فرما دیتا ہے کہ اپنے ما فی الضمیر کے مقاصد دلائل و براہین، تمثیلات و تشبیہات سے اس طرح روشن کرتے ہیں کہ ان کا مدّعا سامعین کی نظر میں یہاں تک ظاہر ہو جاتا ہے کہ معقول معانی محسوس صورت کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں اور اس کی صورت ہو بہو سامعین کے صفحہ خیال پر منقّش ہو جاتی ہے۔ حتّٰی کہ ہر سامع کے صدقِ دل سے اُن کی گواہی ظاہر ہوتی ہے اور ہر سلیم الوجود کے دل کو اُن کے صدق سے اطمینان حاصل ہوتا ہے اور ہر صاحب عقل کی عقل انہیں پسند کرتی اور ہر صاحب خیال کا خیال اُن کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اگرچہ بہت سے سامعین اپنی ہٹ دھرمی

سے انہیں منظور نہیں کرتے اور تعصب کے سبب سے اپنی زبان سے اُن کا اقرار نہیں کرتے۔ لیکن دِل میں وہ بھی جانتے ہیں کہ حق انہی کی طرف ہے اور تکبر و تجبر خود اپنے میں ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

انہوں نے اسکا انکار کیا (جو ہم نے ان کو کہا) مگر ان کے دلوں کو یقین تھا کہ ظلم اور تکبّر سے انکار کیا ہے۔	وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل)

کلامِ موعظت کا بیان یہ ہے کہ اکثر اوقات غافلوں کی بیداری، جاہلوں کی آگاہی اور پست ہمتوں کی بلند ہمتی کے لیے شوق آمیز اور وجد انگیز محبّت الٰہی کا بیان، وسعتِ رحمت اور شدّتِ غضب کا ذکر یا اُن معاملات راز و نیاز کا بیان جو اللہ عزّ و جل اور اس کے بندوں کے درمیان ہو، سلف و خلفِ زمانہ کی گردش، سُکھ اور دُکھ کے معاملات کی تفصیل اور برزخ و قیامت اور دوزخ و بہشت کے احوال یا اُن کے مانند ایسے حالات سُناتے ہیں جن سے سامعین کے دِل میں اُمنگ اور جوش پیدا ہو کر اس سے دل کی قسادت دُور ہو کر رقّتِ قلبی حاصل ہو۔ اگرچہ ایسے کلمات ہر زمانہ میں واعظوں کی زبان سے صادر ہوتے ہیں لیکن واعظوں کا مقصد اسی حد تک ہوتا ہے کہ رقّت، جگر گداز نعرے، وجد و اضطراب اور پیچ و تاب کی حالت حاضرینِ مجلس سے ظاہر ہو اور انبیاء علیہم السلام کا مقصد یہ نہیں ہوتا بلکہ اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بندگانِ خدا کو احکام ربّ العزّت میں مقام اطاعت و فرمانبرداری کے وسیلے کا رسوخ پیدا ہو۔ تاکہ ان کی تہذیب و اخلاق اور اصلاحِ اعمال کا باعث ہو۔ اِسے موعظت حسنہ کہتے ہیں۔

دعوت کا ایک تیسرا حصّہ کبھی کبھی یہ لوگ مقامِ دعوت میں

ایک تیسرے طریقے کو بھی استعمال میں لاتے ہیں اور وُہ جہاد ہے۔ اِس کا بیان یہ ہے کہ کبھی جنگِ دُشمن کو عام فہم لطیفہ اور ظریفانہ نکات سے ساکت کرتے اور موردِ الزام گردانتے ہیں۔ گو اس سے اصل حقیقت آشکارا نہ ہو۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (نجم)	کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کیلئے بیٹیاں یہ بانٹ تو بہت بری ہے۔

اگرچہ باری تعالیٰ سے اولاد کی نسبت کرنا سراسر باطل اور محال ہے۔ لیکن بہت سے مخالفین اُس ذات سُبحانہٗ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور اپنے لیے بیٹوں کی آرزُو رکھتے ہیں۔ اِس لیے اِس لطیفہ سے انہیں خطاب کیا گیا۔ اگرچہ اکثر ظریف لوگ ایسے لطیفوں کو اپنے درمیان بکثرت اِستعمال کرتے ہیں۔ لیکن اِس میں ایک قِسم کی مضرت بھی ہے اور وُہ یہ ہے کہ ظریف کو لطیفہ گوئی اور نُکتہ سنجی کے وقت دین وایمان اور ادب کے طریق کا خیال تک نہیں رہتا۔ بلکہ ہر لطیفہ جو مناسب حال دیکھتا ہے بے تکلّف اسے زبان پر لاتا ہے اور اُسے اپنا عین کمال جانتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حفاظتِ دین ورعایت ادب کے ساتھ ہی دُشمنانِ دین کا سکوت ہو۔ اِس کو جدال حسنہ کہتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام انہی تینوں طریق کے لیے مامور ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (النحل)	اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے انہیں بُلاؤ۔ اور ان سے احسن طریقہ سے جھگڑا کرو۔

اور بہت سا جدل فی الحقیقت دعوت الی الحق سے نہیں ہے۔ لیکن اس کے لواحق اور توابع سے ہے۔ اسی لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا اور دعوت کے تحت میں نہیں کیا۔ اور ان ہر سہ طرق دعوت کو ایک رشتے میں نہ پرویا۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْہُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن۔ پس اس طریقے اور گزشتہ دونوں طریقوں کا امتیاز بخوبی واضح ہو گیا۔

(۵) سیاست

سیاست کے معانی سیاست سے مُراد اصلاح معاش و معادِ بندگانِ کے قوانین اور امامت و حکومت کے آئین ہیں۔ پس سیاست کا مقصود اپنی حکمرانی اور ان کے لیے معاش اور آخرت میں نفع رسانی سے لوگوں کی اصلاح ہے نہ کہ اپنے لیے ان کے خدام سے نفع حاصل کرنا۔

یُوں سمجھیے کہ سیاست دو وجہ سے ہے۔ اوّل سیاست مربیانہ۔ دوم سیاست امیرانہ۔

اقسامِ سیاست مثلاً کسی شخص کی خواہش ہے کہ ایک لڑکے کو ہُنر اور ادب سکھائے اور اُسے ایسا مہذب و مؤدب بنائے کہ اس میں اُن سپاہیوں کے زُمرہ میں داخل ہونے کی استعداد پیدا ہو جائے جو سخت معاش اور جفاکش ہوتے ہیں اور دشت پیمائی .... اور کوہ نوردی اُن کا کام ہوتا ہے اور دُور و دراز منازل طے کرتے اور بلند و پست منازل بے نان و آب قطع کر جاتے ہیں اور آفتاب کی گرمی کی شدت میں بغیر آرام اور نیند کے بسر کر سکتے ہیں اور مُلازمت بادشاہی کی لیاقت حاصل

کرے یعنی آداب و تعظیم کی بجاآوری کے طریقے جانے اور قواعد تعظیم (جو عبارت ہیں ایک مدت تک سرنگوں اور خاموش و دست بستہ کھڑے رہنے سے) کو خوب سمجھ لے۔ تو وہ اس لڑکے کو لازماً اس کام پر مامور کرے گا کہ میرے گھوڑے کی خدمت کر اور اس کے لیے چارہ لا اور بوقتِ حاجت اِسے دانہ پانی دے، اس کی مالش کر، اِس طرح اِس پر زین رکھ اور یوں لگام دے اور رکاب اتنی دراز کر وغیرہ۔ اور اسی طرح حکم دے گا کہ میرے رُوبرو تعلیم و تسلیم اس طرح ادا کر اور ایک مدت تک دست بستہ کھڑا رہ اور سر کو اُونچا نہ کر اور تیز نظر سے مجھے نہ دیکھ اور میرے رُوبرو سخت کلامی اور بیہودہ بات مت کہہ۔ پس جب وُہ لڑکا اپنے مُربّی کے حُکم کے مطابق چلے گا تو مُربّی اُسے تحسین و آفرین کرے گا۔ ورنہ بصورت دیگر عتاب و نفرین کرے گا اور ہاتھ اور زبان سے تکلیف دے گا اسے اِن تمام اُمور سے اس کی تربیت مقصود ہے نہ کہ اپنی ذاتی خدمت لینا۔ لہٰذا دیگر حاجات کا سرانجام جو اس لڑکے کی تربیت سے متعلق نہیں اس کے سپرد نہ کی جائیں گی مثلاً روٹی کھانا، کپڑے سینا، مویشیوں کو چرانا، کُتے کی حفاظت وغیرہ ہرگز یہ خدمات اس کے سپرد نہ کی جائیں گی اور نہ ان کے سرانجام کی اسے تکلیف دی جائے گی۔ پس مَیں اِس تربیت کو سیاستِ مربیانہ کہتا ہوں۔

سیاست ایمانی اگر کوئی شخص کسی کو اپنی خدمت کے لیے نوکر رکھے اور مذکورہ امور یا کسی اور خدمت پر اُسے مامور کر دے۔ تو اس نوکر سے کوئی قصور سرزد ہو جانے پر وہ اُسے سزا دیتا ہے۔ پس جیسا کہ لڑکے کی تادیب صورت اوّل میں اس قصور و آوارگی کے لیے سدِ باب ہوتی ہے۔ اسی طرح دُوسری صورت میں اسے سزا دینا اس کے سابقہ ضرر کے انتقام کی بنا پر ہے

بہ سبب اس کے کہ وہ خدمات میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسی طرح رعایا کا بندوبست اور انتظام اور مخلوق کی تادیب کی بناء ان کی تربیت پر ہوتی ہے۔ مبادا ان کے معاملات کا انتظام درہم برہم ہو جائے۔ اور وہ بہ سبب بے انتظامی کے سرگردان و بے سروسامان ہو جائیں۔

پس جو چیز کہ معاملات معاش کے انتظام یا نجاتِ آخرت کے حصول میں دخل رکھتی ہو گی، اوامر نواہی کے خیال سے اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی مداہنت میں اس کو سزا دیتے ہیں اور جو چیز کہ ان ہر دو سے تعلق نہ رکھتی ہو اس کی طرف خیال نہیں کرتے۔ اور اپنے حکم کے اظہار کی بنا پر بے فائدہ امور میں لوگوں کو تنگ نہیں کرتے۔ اسی طرح محض اپنے امتیاز کے لیے لوگوں کو لباس اور طعام و کلام میں اپنے ساتھ مشابہ ہونے سے مانع نہیں ہوتے اور اپنی طرح بیٹھنے اُٹھنے اور کہنے سُننے اور دیگر عادات و معاملات میں، بشرطیکہ ان کے حق میں معاش و معاد میں مضر نہ ہو باز نہیں رکھتے۔ اور حتّی المقدور تربیت کے اُن امور کو، جو ہدایت کے طریقے میں بیان ہو چکے ہیں، ہاتھ سے نہیں دیتے۔ اگر حصول تربیت ہدایت کے طریقے سے ناکام ہو تو فوراً سیاست کی نوبت پہنچاتے ہیں۔ اُن کی سیاست میں اُن کی ترغیب زجر و لُطف سے ظاہر ہوتی ہے۔ اوّل آئینِ سیاست کی تکالیف کو اپنی جان پر گوارا کرتے ہیں۔ بعد ازاں ان کو بجبر و اکراہ اس کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہم اسے سیاست ایمانی کہتے ہیں۔

سیاست سُلطانی کبھی لوگوں کو محکوم کرنے سے اپنی ذات کے لیے کوئی نفع حاصل کرنے کی غرض سے سیاست ہوتی ہے۔ مثلاً بہت بڑے خزانہ کا جمع کرنا جس سے طعام، لباس اور عمارات اور ہتھیار وغیرہ میں تکلف

ظاہر ہو۔ یا اُن کی ذات کے لیے شہنشاہی، فرمانروائی اور کشور کشائی کا حصول مدِّنظر ہو یا دشمنِ ناہنجار کو زیر و زبر کرنے کے واسطے لشکر جرار و خونخوار جمع کرنا مقصود ہو یا عزّت اور دبدبہ کی زیادتی کے لیے اپنے بنی نوع میں محض حصول امتیاز کا خیال ہو۔ وغیرہ۔ پس سیاستِ افراد انسان سے ان کا مقصود صرف ان کے حال کی اصلاح ہی نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ وہ لوگ اطاعت اور رفاقت اختیار کریں تاکہ ان کی مدد سے اپنے ذاتی اغراض نفسانی حاصل ہوں۔ سو مذکورۃ الصدر امور میں اِس سیاست کا حال سیاستِ اوّل کے برعکس ہے۔ اور ہم اسے سیاست سُلطانی کہتے ہیں۔

پس مقام ذکر کمالات انبیاء علیہم السّلام میں وہی سیاست ایمانی مقصود ہے نہ کہ سیاست سُلطانی۔ سیاست ایمانی کی ۲ دو قسمیں ہیں۔

۱۔ سیاست مدنی | اوّل نبی آدم کے معاملات معیشت کی اصلاح کا انتظام اور اُن کی اجمالی صورتوں کا اہتمام اس کے متعلق ہے۔ اِس کو میں سیاست مدنی کہتا ہوں مثلاً بیع و شراء و شراکت۔

۲۔ سیاست ملّی | معاملات اور قضاء دعویٰ و شہادت وغیرہ کے احکام۔

دوم بناء دین کی پاسداری اور ملّت کی خدمت گذاری۔ مثلاً، قتال کُفار، اہانت مُبتدعین، الزام جزیہ و خراج بذمّہ ذمیّین وغیرہ۔ میں اسے سیاست ملّی کہتا ہوں۔

یہ دونوں قسمیں خود ۲ دو دو قسموں پر منقسم ہیں۔ اوّل یہ کہ بعض افعال میں سیاست جاری ہو کہ فلاں فعل ان سے مطلوب ہے اور ممنوع۔ اِسے میں سیاست افعالی کہتا ہوں۔

دُوسری یہ کہ خرج اموال میں سیاست جاری ہو یعنی اِس قدر بیت المال میں پہنچانا چاہیے تاکہ بنی آدم کی حاجات اِس سے پوُری کی جائیں یا دین وملّت کی خدمت گذاری میں صرف ہو۔ اِس کو مَیں سیاست اموالی کہتا ہوں۔

پس گویا سیاست ایمانی کی چار قسمیں ہوئیں۔ اوّل سیاستِ مدنی افعالی۔ دوّم سیاست مدنی اموالی۔ سوم سیاست ملّی افعالی۔ چہارم سیاست ملّی اموالی۔

پس یہاں انہی چار قسموں سے نمونتہً ذکر کیا جاتا ہے:۔

سیاست مدن اموالی کے فرائض قسم اوّل اُن معاملات کے تعیّن کے واسطے ہے جو بنی آدم کے مابین جاری ہیں۔ مثلاً نکاح کا تعیّن مع بیان ارکان وشروط ولوازم مثلاً ایجاب وقبول وحضور وشہود اور وجوب مہر وغیرہ اور ایسے ہی طلاق وعتاق، نسب وولادت، حضانت و وراثت۔ نفقات ذوی الحقوق اور بیع وشریٰ، سُود وتجارت وشراکت واجارہ، عاریت ومضاربت ومضارعت، قضاؤ شہادت ودعویٰ اور انکار واقرار اور قسم اور انکار، شفعہ، جنایات اور غصب وحدود وتعزیرات، بغاوت وفساد وغیرہ کے احکام۔

سیاست مدن اموالی کے فرائض قسم دوم یہ ہے کہ بیت المال کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس کا انفاق کیونکر؟ مثلاً زکوٰۃ نقود ومالِ تجارت اور سوائم کا لینا اور عشر اراضی کا تعیّن، اِس کی مقدار اور اس کے نصاب کا تعیّن اور مصارف کے بیان پر مشتمل ہے۔

سیاست ملّی افعالی کے فرائض قسم سوم۔ ملت حقّہ کی اغیار سے حفاظت کا طریقہ اور اُس کی حمایت اور ملّتِ باطلہ کی اہانت کے طریق اور اس کی بیخ کنی کے بیان میں مثلاً جہاد کرنا، ابطالِ کفر، رسومِ جاہلیت، اقسام بدعت ومنہیات وفواحش اور ظہورِ فسق اور لہو ولعب وغیرہ کا سدِ باب کرنا،

تعمیر مساجد کی تاکید اور معابد کی ترمیم اور جُمعہ و عیدین کی اقامت اور
امامانِ مساجد و مؤذن، قاضیوں اور محتسبوں وغیرہ کے مقرر کرنے پر مشتمل
ہے

سیاست ملّی کے فرائض قسم چہارم۔ غنیمتوں کے احکام و
تعین خُمس و وضع جزیہ و خراج وغیرہ پر مشتمل ہے۔

سیاست کے سلیقے جبکہ سیاست ایمانی کے اقسام مذکور ہو
چکے تو اب جاننا چاہیے کہ مطلق سیاست ایمانی خواہ اعمال ہوں۔ خواہ سیاست
اموالی ہو یا مدنی ہو خواہ ملّی۔ یہ چند سلیقوں کے بغیر تکمیل نہیں پا سکتی یا تو
صاحبِ سیاست اِن تمام سلیقوں سے متصف ہو یا ان تدابیر کے ذرائع کو
اپنے حضور میں جمع رکھے اور اِن کو اپنے تابع بنائے۔ ہر چند یہ سلیقے بہت
سے ہیں لیکن اِن کے اصول پانچ ہیں :۔ اوّل فراست۔ دوم امارت۔ سوم
عدالت۔ چہارم حفاظت۔ پنجم نظامت۔

(۱) **فراست** سے مقصود مردم شناسی ہے۔ کہ قرائنِ عالیہ و مقالیہ
اور رفتار و گُفتار میں صادق و منافق میں تمیز کر سکے۔ خیر خواہ و بدخواہ طماع
و مُخلص، خائن و امین، پست ہمت اور تنگ حوصلہ و بلند ہمت و فراخ حوصلہ
میں امتیاز کر سکے اور ہر ایک کی عقل و دانائی کو اپنے فراست کی ترازو میں
وزن کر لے کہ کون آدمی کس خدمت کے لائق اور کون کس منصب کے موافق
ہے۔

(۲) **امارت** سے مقصود لشکر کشی اور دُشمن کُشی کا سلیقہ، صلح و جنگ
کی تدابیر، معرکہ آرائی و عربدہ پیرائی اور مخالف کی شان کو توڑنا ہے خواہ وہ
مخالف بہیئت اجتماعی مسلمان ہی ہو۔ مثلاً باغی، فسادی اور رہزن خواہ اس

کی ملّت کے مخالف ہو مثلاً کفّار و لشکر کفّار۔ پس بالضرور امیر کو صاحب شجاعت
و قدردانِ شجاعت ہونا چاہیے اور خود صاحب صولت و سطوت ہو اور جرأت
و استقامت رکھتا ہو تاکہ اپنے ہمراہی بُزدل کو دلاور بنائے اور مخالف دلاور
کو بُزدل بنا سکے۔

(۳) **عدالت** سے مقصود خصومات کے فیصلے کا سلیقہ ہے جو بنی آدم
کے درمیان وقوع پذیر ہوں۔ پس لازم ہے کہ امیر کو خدا شناس اور قانون عدل
و انصاف کے تابع ہونا چاہیے۔ غنی و فقیر، رذیل و شریف قریب و بعید اور
دوست اور دُشمن کی پاسداری نہ کرے بلکہ اِن تمام کو انصاف و عدالت کی رُو
سے ایک نظر سے دیکھے اور اس معاملے میں ان سب سے پہلو تہی کرے۔ نیز
اسے صاحب عقل و فراست ہونا چاہیے کہ نظر سے ہی حق گو اور باطل گو کے کلام
میں امتیاز کر لے۔ راست باز کو سُخن ساز سے اور سادہ لوح کو حیلہ باز سے شناخت
کر سکے۔ نیز اسے محنت کش اور فراخ حوصلہ ہونا چاہیے نہ کہ نازک طبع و سہل انگار
کہ بسبب تکاسل کے حق جوئی سے رہ جائے اور اہل خصومت کی قیل و قال
سے دِل تنگ ہو جائے۔

(۴) **حفاظت** سے مُراد فسق و فجور، تعدّی و جور اور مُفسدین کے
فساد و مُلحدین اور مُبتدعین کی رخنہ اندازی کے سدِّباب کا سلیقہ ہے۔ پس
مُحافظ کو دانشور اور دلیر، صاحب حمیّتِ اسلامی و غیرتِ ایمانی و خیر خواہ صالحین
اور بد خواہ مُفسدین ہونا چاہیے تاکہ زنا و شراب خوری، قمار بازی، مزامیر
نوازی کا مانع اور اُن کے رواج کو توڑنے والا ہو۔ اور محافلِ طرب و نشاط اور
مجالسِ مزاح و انبساط کو مُنہدم کرے۔ طلائی و نُقرئی عمارات کی ممانعت کرے۔

اور مردوں کو عورتوں اور مردوں (ہیجڑوں) کے اختلاط سے باز رکھے۔ طعام ولباس اور رسوم شادی وماتم کے تکلّف واسراف سے محفوظ رکھے۔ ضعیف مُسلمانوں کو متعدّیانِ جفا کیش کی ایذا مثلاً تہمت، سب وشتم، قتل وضرب، چوری، غارت، خیانت اور غصب وغیرہ سے محفوظ رکھے اور بدعات مثلاً قبر پرستی، رسوم جاہلیت، اعمالِ سحر وطلسم اور نجوم غیر شرعیہ کی تعلیم اور اہل السنۃ والجماعۃ سے غیر مذاہب کے شیوع ومُشتبہ تقاریر سے جیسے مُلحد وزندیق لوگ کرتے ہیں تشبّہ بکفار کے اظہار سے مخالفت کرے۔

حفاظت کا منصب فی الحقیقت دو طرح پر ہے۔ اوّل ظلم وتعدی کا سدِّباب۔ اس کے صاحب کو کوتوال کہتے ہیں۔ دوم فسق وفجور اور بدعات ومُنکرات کا سدِّباب۔ اس کے عامل کو محتسب کہتے ہیں۔

(۵) **نظامت** سے بیت المال کے مداخل ومخارج کے بندوبست کا سلیقہ مُراد ہے۔ پس ضروری ہے کہ مُنتظم صاحبِ عقل اور امین ہو تاکہ تحصیلِ مال اور اس کے صرف میں مُسلمانوں کے حال کی اصلاح اور دین کی خدمت گذاری کو مدِّنظر رکھے اور مضرتِ مخالفان ودُشمنان کا خیال نہ رکھے۔

ماحصل ہر چند سیاستِ ایمانی کی بحث ایک صحرائے ناپیداکنار اور ایک بحرِ بے کراں ہے۔ لیکن یہاں جو کچھ ذکر ہُوا وُہ اِس صحرا کا ایک ذرّہ اور اس سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ جس کسی کا ذہن روشن اور فکر رسا ہے اسے اِن چند کلمات سے اصل مضمون کی طرف راہنمائی ہو سکتی ہے۔

یہ اجمالی بیان انبیاء علیہم السلام کے کمال کا ذکر ہے جو تحقیقِ امامت اور حقیقتِ امامت کی تحقیق میں کام آسکتا ہے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مذکورہ کمالات کے نام شمار کر دیے جائیں تاکہ تحقیق حقیقتِ امامت میں اگر

ان کمالات کا ذکر کیا جائے تو ناظرین کو اس کے سمجھنے میں کلام طویل سے پریشانی نہ ہو۔ وہ نام یہ ہیں :۔

کمال اوّل وجاہت ہے۔ اِس کے تین شعبے ہیں۔ محبوبیت بہ نسبت رب العالمین۔ عزّت در ملائکہ مقرّبین۔ سیادت بہ نسبت عباد الصالحین۔

کمال ثانی ولایت ہے۔ اس کے بھی تین شعبے ہیں :۔ معاملات ربّانی مقاماتِ رُوحانی۔ اخلاق نفسانی

معاملات جو یہاں مذکور ہیں یہ ہیں :۔ کلام۔ الہام۔ تعلیم۔ تفہیم۔ حکمت۔

مقامات جو ذکر کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں :۔ عبودیت۔ عصمت۔ محبّت۔ توکل۔ رضا۔ تسلیم۔ خوف ورجا۔ محو۔ فنا۔ صبر۔ شُکر۔ تجرید۔ تفرید۔

اخلاق میں یہ ذِکر ہیں :۔ سخاوت۔ شجاعت۔ علو ہمتی۔ وسعتِ حوصلہ۔ استقامت۔ وفورِ رحمت وشفقت۔ خیر خواہیٔ دُشمناں۔ قدر شناسیٔ دوستاں۔

تیسرا کمال بعثت ہے۔ اس کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری صورت تربیتِ خلق اللہ اور باطنی صورت انسانوں کے ساتھ شفقتِ کاملہ ہے۔

چوتھا کمال ہدایت ہے۔ اِس کی پانچ قسمیں ہیں۔ نزولِ برکت۔ عقدِ ہمت۔ فیضِ صحبت۔ خرقِ عادت۔ اظہارِ دعوت۔

فیض صحبت کا ایک ظاہر ہے اور ایک حقیقت۔ ظاہریت یہ ہے کہ دل میں اتباع کی رغبت ہو۔ جو متبوع کا حال دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نورِ غیبی کا انعکاس ہو جو اُن کے دِل سے ہمنشینوں پر ہوتا ہے۔

اِظہارِ دعوت محاوراتِ عُرفیہ کے طریقہ پر ہے نہ کہ اصطلاحاتِ کتابی پر۔ دو تو اصل ہیں یعنی حکمت۔ کلامِ موعظت اور تیسیرا طریقہ ان کے تابع

ہے اور وہ فنِ ظرافت اور جدل ہے۔ اور جو امور اس کی طرف ہدایت کرتے ہیں وہ تین ہیں۔

عقاید۔ احکام۔ اخلاق۔

پانچواں کمال سیاستِ ایمانی ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:۔

سیاستِ مدینہ اعمالی۔ سیاستِ مدینہ اموالی۔ سیاستِ ملی اعمالی۔

سیاستِ ملی اموالی۔ اس کے لیے پانچ طرح کا ملکہ ہونا چاہیے۔

فراست۔ امارت۔ عدالت۔ حفاظت۔ نظامت۔

پس کمال اوّل۔ دوم وسوم اور ان کے شعبے اور لوازم تو کمالات کے نام سے موسوم ہیں۔ چہارم وپنجم اور ان کی قسموں اور طریقوں کو تکمیل کہا جائے گا۔

اس توضیح کو بصورتِ شجرات ذیل میں واضح کیا جاتا ہے (از مترجم)

کمال اوّل وجاہت

محبوبیت بہ نسبت ربّ العالمین — عزّت در ملائکہ مقربین — سیادت بہ نسبت عباد الصالحین

کمال ثانی۔ ولایت

معاملاتِ ربّانی — مقامات روحانی — اخلاق نفسانی

معاملاتِ ربّانی: کلام الہام تعلیم تفہیم حکمت

مقامات روحانی: عبودیت عصمت محبت توکّل رضا تسلیم خوف رجا تفرید تجرید شکر صبر فنا محو

اخلاق نفسانی: سخاوت شجاعت علو ہمتی وسعت حوصلہ استقامت وفور رحمت وفور شفقت خیر خواہی دشمناں قدر شناسی دوستاں
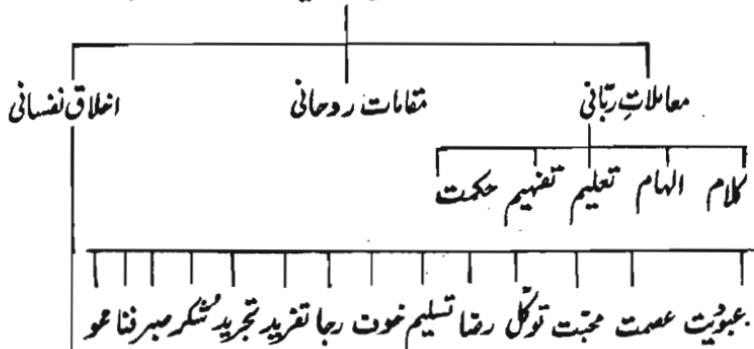
کمال سوم - بعثت
اس کی دو صورتیں ہیں - ظاہر و باطن
ظاہر
باطن
تربیت خلق اللہ
حدوث شفقت کاملہ
نوٹ - مذکورہ ہر سہ کمالات اور ان کے شعبے اور لوازم جو کمالات کے نام سے موسوم ہیں -
کمال چہارم - ہدایت
نزول برکت
عقد ہمت
فیض صحبت
خرق عادت
اظہار دعوت
اصل
حدوث رغبت اتباع در قلب بسبب ملاحظہ حال
انعکاس نور غیبی از دل ایشاں بر دل ہمنشیناں
بیان حکمت
کلام موعظت
عقاید
احکام
اخلاق
یہ دو اصل ہیں اور فن ظرافت و جدل ان کے تابع ہیں
کمال پنجم - سیاست ایمانی
سیاست مدنیہ اعمالی
سیاست مدنیہ اموالی
سیاست ملیہ اعمالی
سیاست ملیہ اموالی
اس کے لیے پانچ حلقے ہونے چاہئیں
فراست
امارت
عدالت
حفاظت
نظامت
نوٹ - کمال چہارم و پنجم، کمال یکم دوم اور سوم کی گویا تکمیل یا تتمہ تصور کرلیجیے -
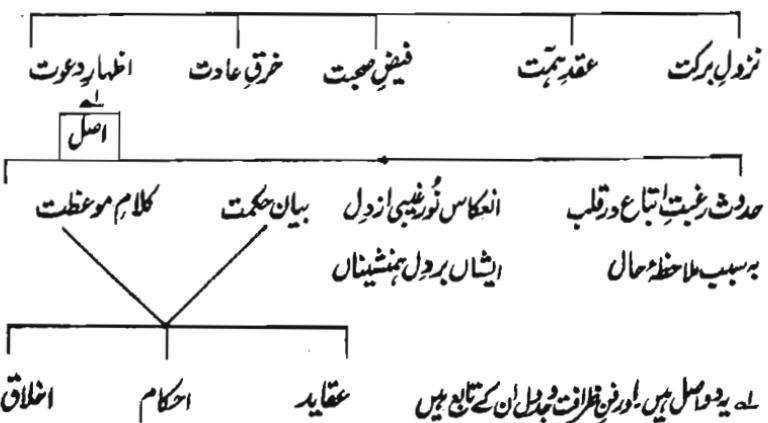
انبیاءؑ کے کمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت

اِس بیان میں کہ بعض اکابر اولیاء اللہ مذکورہ پانچوں کمالات میں انبیاء علیہم السلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ دوؔ صورتوں پر ہے۔

صورتِ اوّل

آغازِ مضمون | اِس میں بیان ہے کہ اگرچہ اولیاء اللہ کو منصبِ نبوت حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن تاہم بعض مقبول بندوں کو اُن کی اِستعداد کے موافق اللہ تعالیٰ مذکورہ کمالات میں سے کچھ کچھ بہرہ ور فرما دیتے ہیں۔

کِتاب وسُنّت کے براہین اِس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا کمالات سے انبیاء کے علاوہ دیگر مقبولانِ بارگاہ کو بھی حصہ مل سکتا ہے۔ اگر تمام آیات واحادیث کا (جو مقبول بندوں کے اوصاف کی وضاحت پر دال ہیں) مفصّلاً ذکر کیا جائے اور ہر ایک کمال پر آیات واحادیث سے علیحدہ علیحدہ دلائل پیش کیے جائیں تو کلام طویل ہو جائے گا بنا بریں اجمالاً اُن میں سے چند کمالات پر اکتفا کیا جاتا ہے اور باقی کمالات کا حال انہی سے سمجھ لیا جا سکتا ہے۔

وجاہتِ اجتبائی غیر انبیاء میں | وجاہتِ اجتبائی کا ثبوت انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی اِس آیت سے ثابت ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران)	جب فرشتوں نے کہا تھا اے مریم بیشک اللہ نے تجھے برگزیدہ اور پاک کیا اور تمام جہان کی عورتوں سے تجھے برگزیدہ کیا۔

اور فرمایا:۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا (آل عمران)	اسکے پروردگار نے اسے اچھی صورت میں قبول فرمایا اور اچھی طرح بڑھایا۔

دُوسری آیت میں عنایت الٰہی و توجہ کا ذِکر ہے جو حضرت مریمؑ کی طرف سنِ طفولیت میں ہوئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:۔

اِنَّ اللہ اطلع اھل الارض فاختار اِیَّاکِ و بعلکِ۔	اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا تو تیرے باپ اور خاوند کو پسند فرمایا۔

اور اس کے شعبوں کا ذِکر مثلاً محبوبیتِ رب العالمین تفصیلاً اِن آیات واحادیث میں واقع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ	اے مُسلمانو، جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پس لے آئیگا اللہ ایک قوم
بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ	کو جو اسے دوست رکھے گی۔

اِس آیت میں حضرت صدیق اکبرؓ اور ان کے متبعین مراد ہیں، جنہوں نے مُرتدین سے مقابلہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اللھم ائتنی باحبّ من خلقک الیک یاکل معی ھذا الطیر	اے اللہ میرے پاس اُسے لا جو تجھے اپنی خلقت سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ میرے ساتھ یہ

فجآءہ علیؓ فاکل معہ (جامع ترمذی)

جانور کھائیے۔ پس آئے آپ کے پاس حضرت علیؓ اور مل کر کھایا۔

اور فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ تبارک وتعالیٰ امرنی بِحُبِّ الاربعۃ واخبرنی انہ یحبھم قیل یارسول اللّٰہ سَمِّہِمْ لنا قال علیؓ منھم یقول ذٰلک ثلثا وابوذر و مقداد وسلمان اَمَرَنِیْ بِحُبِّھِمْ واخبرنی انہ یُحِبُّھُمْ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کی محبت کا حکم فرمایا اور خبر دی اللہ تعالیٰ نے کہ مَیں بھی انہیں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! ہم کو اُن کے نام بتائیے۔ فرمایا:۔ علی اُن میں سے ہے" یہ تین مرتبہ کہا۔ اور ابوذر، مقدادؓ اور سلمان۔ حکم کیا مجھے اُن کی دوستی کا اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ مَیں بھی انہیں دوست رکھتا ہوں۔

ملائکہ مقرّبین میں غیر انبیاء کی عزت

اور "ملائکہ مقربین میں عزت" کا ذِکر یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (حٰم سجدہ)

جن لوگوں نے اللہ کو اپنا رب کہا اور اس پر قائم رہے اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں) نہ خوف رکھو اور نہ غم کھاؤ بلکہ خوش ہو ساتھ اس جنّت کے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ہم دُنیا و آخرت میں تمہارے دوست ہیں؛

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انّ اللّٰہ وملائکتہٗ یصلّون علی

نیک بات سکھانے والے پر اللہ اور اس کے

معلّم الناس الخیر

فرشتے درود بھیجتے ہیں۔

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے بعض صحابہ سے فرمایا۔

اذ راهم جالسين لذكر الله اني جبريل اخبرني ان الله يتباهي بكم الملٰئكة

جس وقت دیکھا ان کو کہ بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہے ہیں۔ مجھ کو جبریلؑ نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے فرشتوں میں تمہارے سبب سے۔

اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے۔

من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سلك الله به طريقاً من طرق الجنة وان الملٰئكة لتضع اجنحتها رضاً لطالب العلم وان العالم ليستغفر له من في السمٰوٰت ومن في الارض حتى الحيتان في جوف الماء وقال صلى الله عليه وسلم ان احب الناس الى الله يوم القيامة واقربهم مجلساً امام العادل

جس نے علم کی طلب میں سفر کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی راہ چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کے رہنے والے علم دوست کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی۔ اور فرمایا رسولِ خدا نے کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں سے محبوب اور درجہ میں قریب تر امام منصف ہوگا۔

نیز رسول اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ان عبدی اذ ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه

جب میرا بندہ جماعت میں میری یاد کرتا ہے تو اس جماعت سے بہتر جماعت میں میں اسے یاد کرتا ہوں۔

اور فرمایا:۔

ان الله اذا احب عبدًا دعا جبریل فقال انی اُحب فلانا فاحبه قال فیحبهٗ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان الله یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهول السماء ثم یوضع له القبول فی الارض۔	جب اللہ تعالیٰ کسی کو دوست بناتا ہے تو جبریلؑ سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی محبت کرو۔ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ اُس سے جبریلؑ بھی محبت کرنے لگتا ہے اور پھر جبریلؑ آسمان میں ندا کرتا ہے کہ فلاں بندہ کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے تم بھی اُسے دوست رکھو تو سب آسمان والے اُسے دوست رکھتے ہیں پھر زمین میں اُس کی مقبولیت ہوتی ہے۔

اور فرمایا:۔

اهتز العرش بموت سعد بن معاذ	سعد بن معاذؓ کی موت سے عرش ہل گیا۔

اور فرمایا:۔

العالم یدعی فی السماء عظیما	عالم آسمان میں بڑا پکارا جاتا ہے یعنی یاد کیا جاتا ہے۔

غیر انبیاء میں سیادت کا ظہور سیادت یعنی اللہ رب العزت اور عبادِ مقبولین کے درمیان وساطت اور فیضِ غیبی کے حصول اور مقبولیتِ محبّت کے انحصار اور اُن کے اتباع کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ	جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کی وہ اُن لوگوں کے ساتھی ہونگے

عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (النساء)	جن پر اللہ نے انعام کیا۔ یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں اور نیک بندوں کے ساتھ ہونگے۔

اور فرمایا:۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (طور)	جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ان کی پیروی کی ہم ان سے ان کی اولاد کو ملادیں گے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا:۔

لا یحبه الا مومن ولا یبغضه الا منافق	اس سے مومن محبت کرتا ہے اور منافق بغض رکھتا ہے۔

اور دُعا کی:۔

اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ	اے اللہ جو اس سے دوستی رکھتا ہے اُس سے تو بھی دوستی کر اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اسے دشمن جان۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور فرمایا:۔

مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینة نوح من رکبھا نجی ومن تخلف عنھا ھلك	میرے اہلبیت تمہارے درمیان اِس طرح ہیں جیسے نوحؑ کی کشتی جو سوار ہُوا بچ گیا اور جو سوار نہ ہُوا ہلاک ہُوا۔

اور فرمایا:۔

انی تارك فیکم الثقلین ما ان	مَیں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ کے

تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی	جاتا ہوں۔ جب تک میرے بعد انہیں مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔ ایک تو کتاب اللہ ہے دُوسرے میرے اہل بیت۔

ولایت اِس کا ذِکر اجمالاً یوں ہے۔ جیسے کہ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس)	آگاہ رہو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ غم ہے نہ خوف، اور یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرے اُن کے لیے دُنیا و آخرت میں خوشخبری ہے۔

اور فرمایا اللہ عزّوجلّ نے :۔

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (انفال)	اُس کے دوست وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں۔

وحیؔ اور تحدیث یا الہام اِس کے شعبوں کا ذِکر تفصیلاً یہ ہے کہ ان تمام امور میں سے ایک تو الہام ہے اور الہام وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام سے ثابت ہے اور اس کو وحی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے بغیر کِسی اَور سے ثابت ہو تو اُسے تحدیث کہتے ہیں اور کہیں کتاب اللہ میں مُطلق الہام کو وحی کہا گیا ہے خواہ انبیاء سے ثابت ہو خواہ اولیاء سے، یہ الہام مطلق کبھی پردۂ غیب سے کلام کی صورت میں نازل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ (مائدہ)	جب ہم نے حوارین پر وحی کی کہ میرے اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

اور فرمایا :

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ	ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں پر وحی کی

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (قصص)

کہ اُسے دُودھ پلا اور جب تجھے کوئی خوف ہو تو اسے دریا میں ڈالدے اور نہ ڈر اور نہ رنجیدہ ہو کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دینگے اور اسے رسول بنائیں گے۔

اور فرمایا:۔

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا (کہف)

ہم نے ذوالقرنین سے کہا کہ تُو جو چاہے سختی کر یا انہیں بہتر طریقے سے پکڑ۔

نبی صلی اللہ علیہ نے فرمایا:۔

قد كان فيمن قبلكم من الامم محدثون پہلی اُمتوں میں محدث ہوتے تھے۔ اگر وان یك فی امتی احد فانہ عمر میری اُمت میں کوئی ایک ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔

الہام کی دُوسری نوع

اور کبھی یہ الہام فرشتے کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، قَالَ اِنَّمَآ اَنَا

مریمؑ کا قصہ یاد کر جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر شرقی مکان میں گئی تو درمیان میں پردہ ڈال دیا۔ پھر ہم نے اُس کی طرف اپنی رُوح بھیجی جو اسے آدمی کے مانند نظر آئی تو مریمؑ نے کہا کہ مَیں تو اللہ سے پناہ مانگتی ہوں خواہ تُو پرہیزگار ہی ہو تو اس نے کہا کہ مجھے تو تیرے پروردگار

رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا
زَكِيًّا۔ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ
غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ
اَكُ بَغِيًّا۔ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ

نے بھیجا ہے کہ مَیں تجھے ایک پاک لڑکا دوں
تو مریمؑ نے کہا کہ میرے ہاں کیونکر لڑکا ہو
سکتا ہے مجھے تو کسی مرد نے چھوا بھی نہیں
اور مَیں آلودہ دامن بھی نہیں تو فرشتے

رَبُّكِ هُوَ عَلَىَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ
اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ
وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا
(مریم)

نے کہا کہ یونہی ہوگا کیونکہ یہ تیرے پروردگار
کے آگے آسان ہے اور ہم اسے لوگوں کے
لیے ایک نشانی بنائیں گے اور ہماری
طرف سے ایک رحمت ہے۔ اور یہ بات
پختہ ہے

اور فرمایا۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ
اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَ
اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ
يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ
وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (آل عمران)

جب فرشتوں نے مریمؑ سے کہا کہ اللہ نے
تجھے پسند کیا اور تمام جہان کی عورتوں
سے پاک کیا۔ اے مریمؑ اپنے رب کی فرماں
برداری کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں
کے ساتھ رکوع کر۔

اور فرمایا:۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ
اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ
الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ

جب فرشتوں نے مریمؑ سے کہا کہ اللہ تجھے
ایک کلمے کے ساتھ خوشخبری دیتا ہے کہ اس
کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔ دُنیا و آخرت
میں وہ وجیہہ ہے اور مقربین سے ہے۔

الہام کی تیسری نوع | کبھی یہ الہام اِس طریقے سے وقوع پذیر ہوتا ہے کہ خود بخود صاحبِ الہام کے دل میں کوئی بات جوش مارتی ہے اور وہ اسے زبان پر لاتا ہے۔ اور فی الحقیقت وہ کلام رحمانی کلام ہوتا ہے جو اس کی زبان پر جاری ہُوا انسانی کلام نہیں۔ الہام کی یہ قسم جب انبیاء سے ظاہر ہوتی ہے تو اس کو نفث الرّوع کہتے ہیں۔ جیساکہ رسول خدا صلعم نے فرمایا:

الا ان روح القدوس نفث فی سادعی	آگاہ ہو کہ رُوح پاک نے میرے دِل میں پھُونک دیا۔

الہام اولیاء | اگر اس کی نسبت اولیاء اللہ سے ہو تو اسے نطق سکینہ کہتے ہیں۔ جیساکہ صحابہ رضی اللہ عنہم ذِکر فرماتے ہیں۔

ما کنا نبعد ان السکینۃ تنطق علیٰ لسان عمر وقلبہ	ہمیں یہ بات بعید نہیں دکھائی دیتی تھی کہ عمر رضی اللہ کی زبان اور دِل پر سکینہ جاری ہو۔

اِس طرح کی اور بہت سی مثالی باتیں فاروق اعظمؓ سے مروی ہیں۔

الہام بذریعہ خواب | الہام کی اقسام سے ایک خواب بھی ہے کہ مقبول عالی مقام کو حالتِ خواب میں کسی غیبی امر سے مطلع کیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ یریھا المؤمن او ترٰی لہٗ۔	نبوّت سے باقی کوئی بات نہیں رہی مگر خوشخبریاں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا نیک خواب جو مومن دیکھتا ہے۔

اور عمدہ کمالات سے تعلیم غیبی ہے جیساکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:۔

قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ	ان سے ان کے نبی نے کہا کہ تمہارے

لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ
لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً
مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ
وَالْجِسْمِ (البقر)

واسطے اللہ نے طالوت کو بادشاہ بنایا ہے
انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا بادشاہ کیونکر ہو
سکتا ہے۔ ہم بادشاہی کے اس سے زیادہ
حقدار ہیں کیونکہ وہ مالدار بھی نہیں ہے۔
کہا اللہ نے اِس کو تم میں سے پسند کیا اور
اسے علم اور جسم میں زیادتی دی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ طالوت نبی نہ تھے۔ اور فرمایا :-

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ
لَّدُنَّا عِلْمًا (کہف)

وہ دونوں میرے ایک بندے سے ملے کہ ہم
نے اُسے رحمت اور علم اپنے پاس سے
دیا تھا۔

اِس مقام میں عبد سے مُراد حضرت خضرؑ ہیں اور صحیح قول کے مطابق منجملۂ انبیاء نہ تھے۔

کمالات مذکورہ سے ایک غیبی تفہیم ہے۔ معنی اِس کے یہ ہیں کہ فکر و نظر میں القائے برکت ہو جو قوتِ نظر کو کشاں کشاں راہِ راست پر لائے اور حق شخص کو پہنچائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا
اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء)

پھر ہم نے سلیمان اور باقی سب کو سمجھا دیا
اور اُسے علم اور بادشاہی دی۔

اور ظاہر ہے کہ اُس وقت حضرت سلیمانؑ سات برس کے تھے۔ منصب نبوت پر نہ پہنچے تھے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-

والذی خلق الجنۃ وبرأ النسمۃ ما عندنا الا ھذا القرآن

اُس ذات کی قسم جس نے جنت اور جان کو پیدا کیا سوائے قرآن شریف کے ہمارے پاس کچھ اور نہیں ہے۔

حضرت علی نے اور فرمایا:

بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن قاضیا فقلت یا رسول اللہ ترسلنی وانا حدیث السن ولا علم لی بالقضاء فقال ان اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک قال علی فما شککت فی قضا بعد

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ مجھے بھیجتے تو ہیں مگر میں کم عمر ہوں اور مجھے فیصلوں کا علم نہیں ہے۔ پس فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جلدی تیرا دل کھول دے گا اور تیری زبان کو ثابت رکھے گا حضرت علیؓ نے کہا کہ اس کے بعد فیصلہ کرنے میں مینے شک بھی نہ پایا۔

توراۃ مقدس میں ہے:

انہ لیس قاض یقضی بالحق الا کان عن یمینہ ملک وعن شمالہ ملک یسددانہ ویوفقانہ للحق ما دام علی الحق فاذا ترک الحق عرجا وترکاہ۔

کوئی قاضی جب حق فیصلہ کرتا ہے تو ایک فرشتہ اُس کے دائیں اور ایک بائیں طرف ہوتا ہے جو حق کی مدد کرتے رہتے ہیں جب تک وہ قاضی حق پر رہتا ہے۔ مگر جب وہ قاضی حق کو ترک کر دیتا ہے تو وہ فرشتے اُوپر چڑھ جاتے ہیں اور اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

حکمت اولیاء ان کمالات میں سے ایک حکمت ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمَانَ الْحِکْمَۃَ اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ۔

ہم نے لُقمان کو حکمت دی کہ اللہ کا شُکر کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

انا دار الحکمۃ وعلیؓ بابھا ودعٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن عباس اللّٰھم علمہ الحکمۃ

مَیں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے دُعا کی کہ اے اللہ اِس کو حکمت سکھا۔

عبودیت اولیاء

ولایت کے عمدہ ترین مقامات سے عبودیت ہے جیسا کہ عزوجل نے فرمایا :-

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰہُ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا (کہف)

وُہ ہمارے ایک بندے سے ملے جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی تھی۔

اور فرمایا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوْنَھَا تَفْجِیْرًا (الدھر)

نیک لوگ جام پئیں گے کہ اس کا مزاج کافوری ہوگا۔ ایک چشمہ ہے کہ جس سے اللہ کے بندے پیتے ہیں اور اس سے نالیاں چلتی ہیں۔

یہاں عباد اللہ سے مُراد حضرت مُرتضیٰؑ اور حضرت زہراؑ اور امامین شہیدینؑ ہیں۔ اور فرمایا :-

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب ان سے جاہل جھگڑا کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ السلام علیکم

لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور اپنے پروردگار کے آگے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم سے دوزخ کا عذاب دُور کر کیونکہ اُس کا عذاب بھاری ہے اور وُہ بُری جگہ ہے اور جب خرچ کرتے ہیں تو اسراف نہیں کرتے اور نہ دِل تنگ ہی ہوتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہیں بناتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے قتل نہیں کرتے مگر ساتھ حق کے۔ اور زنا نہیں کرتے اور جس نے ایسا گناہ کیا قیامت کے دن انہیں عذاب زیادہ کیا جائے گا اور وُہ اس میں ہمیشہ رُسوا رہے گا مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے ان لوگوں کی بُرائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهُ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ

جس نے توبہ کی اور نیک عمل کیے بس وُہ اللہ کی طرف پھر جائے گا رجوع کے ساتھ اور وُہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور جب کسی بیہودہ جگہ سے گزرتے

يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ٥ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ٥ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ٥ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ (فرقان)

ہیں تو بزرگوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ اور جب اِن کو اللہ کی آیات سُنائی جائیں تو اندھے اور بہرے نہیں ہو جاتے اور وُہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ہمارے بیوی بچّوں سے آنکھوں میں ٹھنڈک دے اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ ان کو بدلہ دیا جائیگا مکانوں کے جھروکے بہ سبب ان کے صبر کے اور ملیں گے وہاں ان سے دُعا و سلام کہتے ہوئے اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور استقامت کی اچھی جگہ ہے۔

عصمتِ اولیاء مقاماتِ ولایت میں سے ایک مقامِ عظیم عصمت ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ عصمت کی حقیقت حفاظتِ غیبی ہے جو معصوم کے تمام اقوال، افعال، اخلاق، احوال، اعتقادات اور مقامات کو راہِ حق کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور حق سے رُوگردانی کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ یہی حفاظت جب انبیاءؑ سے متعلق ہو تو اُسے عصمت کہتے ہیں اور اگر کسی دُوسرے کامل سے متعلق ہو تو اسے حفظ کہتے ہیں۔ پس عصمت اور حفظ حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ لیکن ادب کے لحاظ سے عصمت کا اطلاق اولیاء اللہ پر نہیں کرتے۔

حاصل یہ کہ اس مقام میں مقصود یہ ہے کہ یہ حفاظتِ غیبی جیسا کہ انبیائے کرام کے متعلق ہے ایسا ہی ان کے بعض اکابر متّبعین کے متعلق ہوتی ہے چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا (بنی اسرائیل)	میرے بندوں پر تو غلبہ نہ پا سکے گا ان کے لیے تیرا پروردگار کافی ہے۔

پس معلوم ہُوا کہ حفاظتِ غیبیہ کا تعلق کمالِ عبودیت کا ثمرہ ہے۔ خواہ انبیاءؑ میں پایا جائے خواہ ان کے پیرووُں میں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ (حج)	ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر جس وقت تمنّا کی گئی۔ پھر شیطان نے ان کی تمناؤں میں وسوسہ ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی القا شدہ باتوں کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو محکم کرتا ہے۔

ابن عباسؓ کی قرأت میں یہ آیت اس طرح مروی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَلا محدثٍ الّا اذا تمنّٰی اَلْقَی الشیطٰن فی امنیتہٖ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیاتہ	تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی اور محدّث نہیں بھیجا گیا مگر جبکہ تمنا کی گئی شیطان نے ان کی خواہش میں وسوسہ ڈالا پھر اللہ نے شیطان کی بات کو مٹا دیتا ہے اور پھر اپنی آیتوں کو محکم کر دیتا ہے

پس عصمت کے جو معنی اس آیت سے نکلتے ہیں جیسا کہ رسولوں اور نبیوں سے ثابت ہُوا اسی طرح محدثین سے بھی ثابت ہُوا۔ اگرچہ ابن عباسؓ کی روایت متواترہ سے نہیں ہے۔ لیکن غیر متواترہ قرأت، اثباتِ حکم میں بمنزلہ مشہور خبر کے ہے۔ پس غیر متواترہ اور متواترہ میں امتیاز تلاوت میں ہے نہ کہ اثبات حکم میں۔ اور نبی صلی اللہ وسلم نے حضرت علیؓ کے حق میں دُعا کی۔

اللھم ادر الحق معہ حیث دار۔

اے اللہ جس جگہ علیؓ جائے اُس کے ساتھ حق جاری رکھ۔

اور فرمایا:

القرآن مع علیؓ وعلیؓ مع القرآن

قرآن علیؓ کے ساتھ ہے۔ اور علیؓ قرآن کے ساتھ۔

اور فرمایا:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی ولن یتفرقا حتی تردا علی الحوض۔

مَیں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں ایک تو کتاب ہے اور دوسری میرے اہل بیت اور یہ دونوں تم سے جُدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوضِ کوثر پر آئیں گے۔

اور فرمایا:

الحَقُّ یَنْطِقُ علیٰ لسان عمر وقلبہ

عمرؓ کی زبان اور دِل پر حق جاری رہتا ہے۔

اور فرمایا:-

نعمہ المرء صہیب لولم یخف اللہ یعصمہ

صہیبؓ اچھا آدمی ہے اگر اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور اُس سے ڈرے۔

زُہدِ اولیاء جملہ مقامات ولایت سے زہد بھی ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

ان تُؤَمِّرُوْا ابابکر تجدُوہ امینًا زاھدًا فی الدُّنیا راغبًا فی الآخِرۃ

ابوبکرؓ کو حکم بناؤ گے تو اسے دُنیا میں امین و زاہد اور آخرت کا راغب پاؤ گے۔

اور فرمایا :-

من احبّ ان ینظر عیسی ابن مریم فی زھدہ فلینظر الی ابی الدرداء	جو اس بات کی خواہش کرے کہ عیسیٰ بن مریمؑ کو اس کے زہد میں دیکھے تو وہ ابو درداءؓ کو دیکھ لے۔

مقامِ تفرید ان مقامات میں سے ایک تفرید ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

سیروا سبق المفردون قالوا و ما المفردون یارسول اللہ قال الذین وضع الذکر عنھم اثقالھم۔	پھرو اور دیکھو کہ مفردون کیسے سبقت لے گئے پُوچھا گیا یا رسول اللہ مُفرد کون لوگ ہیں ؟ فرمایا وُہ لوگ ہیں جن سے اللہ کے ذکر نے (دُنیا کے) بوجھ دُور کر دیئے۔

مقامِ توکل مذکورہ کمالات میں سے ایک مقام توکل ہے چنانچہ ارشادِ نبوی ہے۔

سیدخل من امتی الجنۃ سبعون الفًا بغیر حساب وجوھھم کالقمر لیلۃ البدر ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیرون ولا یکتوون وعلیٰ ربھم یتوکلون فقام عکاشۃ فقال یا رسول اللہ ادع اللہ ان یجعلنی منھم قال انت منھم۔	میری اُمت کے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنّت میں جائیں گے۔ ان کے مُنہ چودھویں رات کے چاند جیسے ہونگے۔ یہ لوگ وُہ ہیں جو جھاڑ پھونک نہ کرائیں گے اور نہ جانوروں سے فال لیں گے اور نہ داغ لگائیں گے بلکہ اپنے پروردگار پر ہی بھروسا رکھیں گے۔ اِس پر حضرت عکاشہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ

میرے واسطے دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایسے لوگوں میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا تُو انہی میں سے ہے۔

مقامِ محو و فنا ایک مقام محو و فنا ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن ربه تبارك وتعالى لانزال يتقرب الى عبدى بالنوافل حتى احببته كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به ويده الذى يبطش بها ورجله الذى يمشى بها ولئن سألنى لاعطينه ولئن استعاذنى لاعيذنه

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو پھر مَیں اُس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وُہ سُنتا ہے اور اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں۔ جن سے وُہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ چھوتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وُہ چلتا ہے۔ اگر مجھ سے کچھ مانگے تو مَیں دیتا ہوں اور اگر میری پناہ مانگے تو پناہ دیتا ہوں۔

تہذیب اخلاق ایک کمال تہذیب اخلاق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفرؓ بن ابی طالب سے فرمایا:-

اشبهت خَلقى وخُلقى

تُو میری صورت وسیرت میں مشابہت رکھتا ہے۔

اور آپ نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کی نسبت خبر دی۔

انہ یشبہ فی خَلقی ولایشبہ فی خُلقی	بے شک وہ میری صورت میں میرے مشابہ ہوگا مگر سیرت میں مشابہ نہ ہوگا۔

مقامِ بعثت غیر انبیاء

ان کمالات میں سے ایک مقامِ بعثت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا	ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں سے بارہ نقیب مقرر کر دیے

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ نقیب نبی نہ تھے۔ اور فرمایا :۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمُ اثْنَیْنِ فَکَذَّبُوْھُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَیْکُمْ مُّرْسَلُوْنَ ہ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَکْذِبُوْنَ ہ قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ہ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ہ	جب ان کے پاس دو رہبر بھیجے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے تیسرے سے قوت دی۔ انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں تو وہ بولے کہ تم تو ہماری طرح انسان ہی ہو اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا، تم جھوٹ کہتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہم کو صرف پہنچانے کا حکم ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ بزرگ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواریین میں سے تھے نہ کہ نبی۔ اور فرمایا :۔

وَقَالَ لَھُمْ نَبِیُّھُمْ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا (البقر)	ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنایا ہے۔

اور فرمایا :-

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (السجدة)	ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کی ہدایت دیتے ہیں جب اُنہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رأس كل مائة سنةٍ من يجدد لها دِيْنَهَا	بیشک اللہ تعالیٰ اِس اُمّت پر ہر صدی کے شروع میں ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو دین میں درستی کرے۔

مقامِ ہدایت ایسا ہی کمالات مذکورہ میں سے ایک مقامِ ہدایت ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے :-

ان تؤمروا عليا ولا اراكم فاعلين تجدوه هاديًا مهديا ياخذبكم الصراط المستقيم۔	اگر تم علیؓ کو امیر بناؤ گے۔ اور مَیں تمہیں دیکھ کر تم بناؤ گے۔ (اگر بناؤ گے) تو ہادی اور مہدی پاؤ گے جو تمہارے ساتھ سیدھی راہ پکڑے گا۔

نزولِ برکت اقسامِ ہدایت میں سے ایک نزولِ برکت ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے :-

في الشام ان فيها الابدال بهم يمطر اهل الارض وبهم يرزقون وبهم ينصرون من اعدائهم	مُلک شام میں ابدال ہیں۔ انہی کی برکت سے زمین والوں پر بارش ہوتی ہے اور انہی کے سبب سے رزق دیئے جاتے ہیں اور انہیں کے سبب دشمنوں پر فتح پاتے ہیں۔

عقدِ ہمت کا بیان

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :-

وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (فرقان)	جو لوگ کہتے ہیں کہ اے رب ہمارے، ہمیں اپنے بیوی بچوں سے آنکھوں میں ٹھنڈک دے اور ہمیں نیکوں کا پیشوا بنا۔

اور فرمایا :-

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (احقاف)	جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کی عمر ہوئی تو کہا اے میرے رب ! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اُن نعمتوں کا شکر کروں جو تُو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کیں اور یہ کہ میں نیک عمل کروں جس سے تُو راضی ہو اور میری اولاد کی اصلاح کر میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور میں مسلمان ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ ابو بکر	میری اُمت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ابوبکر ہے۔

یعنی دُوسروں پر بہت زیادہ شفقت کرتا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے تہِ دِل سے کوشش کرتا ہے۔

فیضِ صحبت کا بیان

اللہ عزّوجل فرماتا ہے :-

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور

مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ)	صادقین کے ساتھ ملحق رہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فی الذین یجلسون لذکر اللّٰہ ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم	جو لوگ اللہ کے ذکر میں بیٹھتے ہیں یہ لوگ وُہ ہیں کہ ان کے ہم صحبت بے بہرہ نہیں رہتے۔

اور فرمایا:۔

ان خیار عباد اللّٰہ الذین اذا رُاُوْ ذکر اللّٰہ	اللہ کے نیک بندے وُہ ہیں کہ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔

اور فرمایا:۔

مثل الجلیس الصالح السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك اما ان یھدیك واما ان تجد ریحًا طیبۃً وَ نافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك واما اَنْ تجد منه ریحًا خبیثۃً۔	اچھے ہم صحبت اور بُرے ہم صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری والا اور لوہار کستوری والا یا تو تجھے خود اس کا تحفہ دے گا یا تو خود خریدے گا۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو تجھے خوشبو تو ضرور آئے گی اور بھٹی والا لوہار اوّل تو تیرے کپڑے جلائے گا، اگر کپڑے تُو نے بچا لیے تو بدبُو تو ضرور آئے گی۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا:۔

لمجلس من عمر خیر من عبادۃ سَنَۃٍ۔	حضرت عمرؓ کی ایک صحبت ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

خرقِ عادت بیان کی محتاج نہیں۔ کیونکہ ہادیانِ راہِ حق جو انبیاء علیہم السلام کے متبع ہیں ان سے خوارق عادت کا ظہور اکثر مشہور ہے اور متواتر

ہوتا ہے۔ لہٰذا بیان کی حاجت نہیں۔

اظہارِ دعوت ارشاد خداوندی ہے کہ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران)	تم بہترین اُمت ہو کہ لوگوں کو نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے روکنے کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور فرمایا:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)	تم میں سے ایک ایسی جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بُلائے اور نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے روکے۔

ارشاد نبویؐ ہے کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ على معلم الناس الخير	اللہ اور اس کے فرشتے بھلائی کے بتانے والے پر رحمت بھیجتے ہیں۔

اور فرمایا:۔

من دعٰی الی الھدٰی کان لہٗ اجرہٗ واجر من عمل علیہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئًا۔	جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بُلائے تو اسے اس کا ثواب ملتا ہے اور جو کوئی اس پر عمل کرے تو اس کے برابر ثواب ہادی کو بھی ملتا ہے اور سُن کر عمل کرنے والے کے ثواب سے کچھ گھٹتا نہیں۔

سیاست ایمانی اور فرمایا

انما العلماءُ ورثۃ الانبیاء	عُلماء نبیوں کے وارث ہیں۔

مذکورہ کمالات میں سے ایک سیاست ایمانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد

باری ہے :-

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ (مائدہ)	ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے اور اس میں سے انبیاء حکم کرتے ہیں ان لوگوں کو جو مسلمان ہوئے یا یہودی ہوئے اور اللہ کے بندوں اور عالموں کو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم یکون ملکا عاضا فیکون ما شاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ ثم یکون ملکا جبریۃ فیکون ما شاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ ثم سکت۔	تم میں نبوت رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ پھر اُسے اُٹھالے گا۔ پھر مضبوط بادشاہی ہوگی اور جب تک اللہ چاہے گا رہے گی پھر اُٹھالے گا اس کو بھی اللہ۔ پھر زبردست شہنشاہی ہوگی۔ جب تک اللہ چاہے گا رہے گی پھر اُسے بھی اٹھالے گا۔ پھر خلافت ہوگی نبوّت کے طریقہ پر۔ پھر آپ چُپ ہوگئے۔

کمال فراست مناسب سیاستِ ایمانی میں سے ایک کمال فراست ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے

اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ تعالیٰ	مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ذریعے دیکھتا ہے۔

کمال امارت اور ایک کمال امارت ہے۔ اسامہ بن زیدؓ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان کنتم تطعنون فی امارته فقد کنتم تطعنون فی امارت ابیہ من قبل وایم اللہ ان کان لخلیقا للامارۃ	اگر تم اس کے امیر ہونے پر طعن کرتے ہو تو اِس سے پہلے تم اس کے باپ کی امارت پر بھی طعن کرتے تھے۔ واللہ! وُہ امارت کے لائق تھا۔

منصبِ عدالت ایک منصب عدالت بھی ہے۔ جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے !۔

اقضٰی ھم علی (الحدیث)	اچھا فیصلہ کرنے والا علیؓ ہے۔

منصبِ حفاظت ایک منصب حفاظت ہے۔ اس کے دو شعبے ہیں۔ پہلا انتظام اُمت کہ اس کے صاحب کو کوتوال کہتے ہیں۔ دُوسرا مفاسدِ دین کا سدِباب ہے۔ اِس خدمت کے صاحب کو محتسب کہتے ہیں۔

اوّل کا بیان یہ ہے۔

فقد روی کان قیس ابن سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ صاحب الشرط من الامیر	روایت کیا گیا ہے کہ قیس بن سعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بمنزلہ صاحب شُرُط امیر کے تھے اور صاحب شرط عسس (کوتوال) کو کہتے ہیں۔

دُوسرے کا بیان یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ !

رضیت لامتی ما رضی بھا ابن ام عبد۔	مَیں اُمت سے راضی ہوں جس طرح ابن اُم عبدؓ راضی ہُوا، اِس ام عبد سے مُراد عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔

منصبِ نظامت ایک منصب نظامت ہے کہ اسے امانت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :۔

لکل اُمّۃ امین وامین ھٰذہ الامۃ	ہر اُمّت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور
ابو عبیدۃ ابن الجراح	اِس اُمّت کا امین ابو عبیدہؓ بن جراح

ہے۔

اِس بیان میں جو ذِکر کیا گیا ہے اِس سے واضح ہو گیا۔ کہ مذکورۃ الصدر کمالات جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں پائے جاتے ہیں اِسی طرح ان کے متبعین کو بھی ان سے بہرہ حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ مذکورہ کمالات کا بیان یہاں تفصیل سے نہیں کیا جا سکا اور جو ہُوا اس کے دلائل پورے طور پر کتاب وسُنّت سے بیان نہیں ہوئے بلکہ جو کمالات عُمدہ ترین تھے انہیں یہاں بیان کر دیا گیا ہے اور شواہد و دلائل قلیلہ کتاب وسُنّت پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ طالبانِ حق کے افادے کے لیے نمونتہً کام آسکیں۔ ہاں جو کوئی ذہن رسا اور فکر صائب رکھتا ہے وہ انہی سے اُن کمالات کو سمجھ لے گا جن کا ذِکر یہاں نہیں ہو سکا۔ اور انہی تھوڑے دلائل سے پورے دلائل پر عبور پا سکتا ہے۔ واللّٰہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

صورتِ دُوم

یہاں انبیاء علیہم السلام کے مذکورۃ الصدر کمالات و درجات میں اولیاء اللہ کی مشابہت کا ذِکر کیا جاتا ہے۔

مومنین کو کمالاتِ انبیاء میں حِصّہ ۔ اگرچہ مذکورہ مراتب عالیہ انبیاء علیہم السلام کی ذات سے مخصوص ہیں۔ تاہم ہر ایک کمال کا اصل اور تخم ہر صحیح الاعتقاد مومن اور قوی الانقیاد مُسلم میں پایا جاتا ہے۔

مومنین کے لیے ملائکہ میں عزت مثلاً ہر مومن صادق کو رب العالمین کے حضور اور ملائکہ مقربین کے مجمع میں ایک قسم کی وجاہت حاصل ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے :۔

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَہٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (مومن)	جو عرش کو اور اُس کے گرد کی اشیاء کو اُٹھائے ہوئے ہیں وُہ اللہ کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں اور مومنین کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

اِس طرح مومن مُخلص کے لیے ولایت میں سے بھی ایک قسم ثابت ہے۔

چُنانچہ قرآن میں ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (یونس)	بے شک اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ خوف ہے نہ غم۔ یہ لوگ وُہ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور وُہ متقی تھے۔

الہامِ مومن اور کسی قدر توکّل بھی لوازمِ ایمان سے ہے جس سے انسان اسبابِ شرک و محرّماتِ شرعیہ کی طرف راغب نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (مائدہ)	مومنین کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکّل رکھنا چاہیے۔

زہدِ مومن اِسی طرح زہد بھی ارکانِ اسلام میں سے ہے جس سے مستلذّاتِ ممنوعہ شرعیہ ترک ہوتی ہیں۔

حفاظتِ غیبی اِسی طرح سے حفاظتِ غیبی بھی ہر مومن کے لیے متحقق ہے جو بذریعہ فرشتہ مُلہمِ خیر یا بذریعہ وعظ اور ہادیانِ راہِ حق کے اذکار سے حاصل ہوتی ہے۔

بعثت اور ہدایت ایسے ہی ایک منصب بعثت اور ہدایت ہے جس کا ادنیٰ درجہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرائض ہیں۔ یہ بھی ہر مومن کو حاصل ہے۔

سیاست ایمانی اسی طرح سیاست ایمانی میں شریک ہونا مثلاً جہاد جو بصورت اذنِ عام ہو، آقامت میں شرکت یا غلبۂ کُفّار کے وقت ہر مُسلمان کے ذمہ واجب ہے۔

فی الحقیقت یہ تمام کمالات انھی کمالات کے لوازمات سے ہیں۔ جس قدر ایمان کامل تر ہوگا اسی قدر یہ کمالات قوی تر ہوں گے۔ گویا ہر کمال کا انھی کمالات سے ایک سلسلہ متلک ہے جس کی ابتدا نفسِ ایمان سے ظاہر ہوتی ہے اور تفاوتِ ایمان کے اعتبار سے اِن کمالات کے مراتب میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ مرتبہ نبوّت تک اُن کی انتہا ہے۔ کیونکہ ہر کمال مقام نبوت میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ پس لامحالہ اگر مراتب کے سلسلے میں ہر کمال کے ادنیٰ درجے کا انبیاء کے اعلیٰ درجے کے کمال سے مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوگا کہ یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو کمالِ انبیاء کے متصل واقع اور اس سے ضعیف ہے مگر دیگر تمام مراتب سے قوی ہے۔ مَیں ہرگز انبیائؑ کے کمال کے مراتب کو دُوسروں کے مراتب کے سلسلے میں شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ انبیاء کرام اور ہیں اور دُوسرے عوام اور، لہذا اِس مرتبۂ کمال کو جو انبیاء کے مرتبۂ کمال کے متصّل ہے مذکورہ کمالات کے سلسلے کا انتہائی نچلا درجہ تصوّر کریں۔ یعنی انبیاء کے کمال کو درجۂ اوّل میں رکھیں اور اس مرتبہ کو دُوسرے درجے میں۔

ضعیف وقوی کا تفاوت یہ بھی یاد رکھو کہ ہر کمال کے مراتب میں قوت اور ضعف کے اعتبار سے تفاوت ہے اس کو ان اشیاء کے اختلاف

کے مشابہ جاننا چاہیے جو ایک سلک میں منسلک ہوں۔ اس کی تفصیل یُوں ہے کہ دو چیزوں میں دو طرح سے اختلاف واقع ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اُن ہر دو سے ایک چیز ذات، آثار اور احکام میں دوسری کی نسبت امتیاز ظاہری رکھے۔ جیسا کہ لکڑی اور پتھر، انسان اور حیوان، اسپ اور گائے، شیر اور بکری وغیرہ میں اختلاف ہے۔ دُوسرے یہ کہ ایک چیز دوسری سے امتیاز کلی نہ رکھے اور نہ اُن کے درمیان ذاتی اختلاف ہو۔ بلکہ دونوں ایک ہی رشتے میں پیوند ہوں اور ایک ہی محدود جنس سے ہوں۔ اختلاف فقط کمال یا نقص کے اعتبار سے ہو اور بس۔ مثلاً حرارت کے مراتب کا اختلاف۔ کہ حرارت قوی یا ضعیف، ہر دو از قسم حرارت ہی ہیں اور جنس واحد ہیں اگرچہ شدّت یا ضُعف کے اعتبار سے فرق رکھتی ہوں۔ اسی طرح برودت، نُور، ظلمت اور رنگ کے مراتب میں ضُعف یا قوّت کے لحاظ سے اختلاف ہے۔ نیز شیرینی و نمکینی و تلخی اور شوریت وغیرہ میں بھی اِسی طرح اختلاف ہے۔

پس اوّل الذکر اختلاف میں لازم ہے کہ اشتباہ کی گنجائش نہیں۔ مثلاً لکڑی اور پتھر میں کسی طرح کی مشابہت نہیں ہے اور اسپ و خر میں بھی ہرگز اشتباہ نہیں ہے۔ برخلاف مؤخر الذکر کے اختلاف کے، اگرچہ اِس قسم کے بعض مقامات میں اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن بعض مقامات میں شدید اشتباہ ہوتا ہے کہ اس کا امتیاز دقیق نظر سے بھی بمشکل ہوتا ہے۔ مثلاً اگرچہ قند سیاہ و سفید کی حلاوت میں ہرگز اشتباہ نہیں۔ لیکن شکر سفید مصفیٰ اور قند سفید کی حلاوت میں ایک حد تک التباس واقع ہے خصوصاً جبکہ کاریگر باورچی باریک مصفیٰ چاولوں کو اس میں پکائے تو اس کا امتیاز دقّتِ نظر سے بھی نہیں ہو سکتا۔

یہاں اصل مطلب یہ ہے کہ جب مختلف مراتب کے سلسلے سے ایک چیز کو دیکھیں اور اس کے ادنیٰ درجے کو اعلیٰ سے قیاس کریں تو ان کے درمیان امتیاز ظاہر ہوگا اور اگر ایک مرتبے کا دوسرے مرتبے سے جو اس کے قریب واقع ہے مقابلہ کریں تو ان کے درمیان تمیز کرنا مُشکل بلکہ ناممکن ہوگا۔ اور یہ معنی ہر عقلِ سلیم پر خوب ظاہر ہیں۔ پس یاد رکھو کہ کمالات مذکورہ کے مراتب کا اختلاف، اختلافِ ثانوی سے ہے نہ کہ اختلافِ اوّل کی جنس سے۔ کیونکہ محبّین کی محبّت کے مراتب کا اختلاف اور متوکلین کے توکل، اہل سخاوت کی سخاوت، مُشفقین کی شفقت، متبرکین کی برکت اور متفرّسین کی فراست کے

مراتب کا اختلاف، اختلافِ مراتب اور اقسامِ رنگ و بُو کی جنس سے ہے نہ کہ چوب و سنگ کے اختلاف کے مانند۔ پس اگر ادنیٰ درجہ کے مومن کے توکّل کا انبیاء کے توکّل سے مقابلہ کریں تو ان دونوں میں کسی قسم کی مماثلت نہ پائی جاتے گی۔ اور اگر زید کے توکّل کا عمرو کے توکّل سے مقابلہ کریں جو کہ باہم توکّل کے معنوں میں متقارب ہیں تو اگرچہ ایک دوسرے کی نسبت نفس الامر میں ایک قسم کی قوّت ہے لیکن ظاہرِ نظر میں امتیاز نہ ہو سکے گا۔

انبیاء کے کمالات کے ساتھ عام مومنین کی مماثلت پس واضح ہُوا کہ ہر کمال کا مرتبہ جو انبیاء اللہ سے ثابت ہے اگر اُسی کمال کے مرتبے کا جو ادنیٰ مومن میں واقع ہو، مقابلہ کریں تو کوئی مشابہت ان دونوں کے مراتب کے درمیان نہ پائی جائے گی۔ لیکن اگر ان کے مرتبے کا اس مرتبے کے ساتھ قیاس کریں جو ان کے مرتبے کے متصل واقع ہے تو ایک قسم کی معنوی مماثلت ظاہر ہو گی۔ جس کی حقیقت کو سوائے علاّم الغیُوب کے کوئی نہیں پہنچ سکتا جو کہ نفس الامر میں باہم متحقق ہے اور اسی مماثلت کو مشابہت کہتے ہیں۔ پس جو کوئی

مذکورہ کمالات کے مرتبے میں مرتبۂ ثانیہ سے متصف ہو تو وہی ان کمالات میں انبیاء کے کمال سے مشابہ ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

علماء امتی کانبیاء بنی اسرآءیل	میری اُمّت کے علماء انبیائے بنی اسرائیل کی طرح ہیں ۔

نیز آپ نے جعفر بن ابی طالب کی نسبت فرمایا :

اشبھتَ خُلقی و خَلقی	تو میری سیرت اور صورت میں مشابہ ہے۔

اور مہدی علیہ السلام کی نسبت فرمایا :

انہ یشبہ خلقی ولا یشبہٗ خلقی	وُہ میری صورت میں مشابہ ہوگا مگر سیرت میں مشابہ نہ ہوگا ۔

حضرت علیؓ سے فرمایا

انت اخی فی الدنیا والاخرۃ وقال من احب ان ینظر الیٰ عیسٰی ابن مریم فی زھدہٖ فلینظر الیٰ ابی درداء وقال حذیفۃ ابن الیمان ان اشبہ الناس دلًّا وسمتًا وھدیًا برسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لابن اُم عبد ۔	(علی دُنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے) اور فرمایا ا- جو کوئی عیسیٰ بن مریمؑ کو اس کے زہد میں دیکھنا چاہے وہ ابی الدرداء کو دیکھ لے) اور حذیفہ بن یمان نے کہا کہ لوگوں میں سے دلالت ، عادت اور ہدایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ابنِ اُمِ عبد (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) ہیں)

امامت کی حقیقت اِس بیان کے بعد مَیں کہتا ہوں کہ امامت سے مُراد یہ ہے کہ انبیاء کرام کے کمالات میں مشابہت تامّہ حاصل ہو۔ مثلاً علم احکام شرعیہ جو دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے ۔ ایک تقلید سے دوسرے تحقیق سے پھر تحقیق کے دو طریقے ہیں۔ پہلا اجتہاد بشرطیکہ معقول طور سے ذوی العقول کو

ہو۔ دُوسرا الہام بشرطیکہ مداخلتِ نفسانی سے محفوظ ہو۔ پس علمِ احکام میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہوں گے یا ملہمین محفوظین۔ چونکہ احکام کی نسبت اوائل اُمّت میں کشف والہام کی طرف عُرف نہ تھا۔ پس اِس فن میں انبیاء کے مشابہ مجتہدین مقبولین ہیں۔ سو اُن کو ائمہ فن سے جاننا چاہیے جیساکہ ائمہ اربعہ اگرچہ مُجتہد بہت سے گزرے ہیں۔ لیکن جمہور اُمّت کے درمیان یہی چند بزرگ مقبول ہیں۔ پس گویا کہ مشابہت تامّہ اِس فن میں ان کے نصیب ہوئی۔ اِس بناء پر تمام اہلِ اِسلام میں بہت سے خاص و عام امام کے لقب سے مشہور اور قوّتِ اجتہاد سے متصّف ہوئے۔ اور عقاید میں بھی تقلید کو علمِ انبیاء میں کچھ مداخلت نہیں ہے۔ پس ان کا طریق فن اِستدلال ہے یا الہام۔ اِستدلال کا طریقہ ظاہر ہے اور الہام کا مخفی۔ پس مُستدلین کو اِس فن میں اُن کے ساتھ مشابہت ظاہرہ ثابت ہے۔ اِسی بناء پر مُستدلین استدلالات قویّہ کو متکلمین لفظ امام سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً امام غزالیؒ و امام رازیؒ۔

اِسی طرح سیاست ایمانی کا قیام دُو طرح پر ہے بطریق متابعت مثلاً خُلفاء اور اُن کے نائبوں کے مددگاروں کی طرح یا بطریق متبوعیت۔ مثلاً خود خُلفاء۔ اور بیشک سیاستِ انبیاء طریق ثانیہ سے ہے نہ کہ طریق اولی سے۔ پس خود خلیفہ سیاستِ ایمانی میں نبی کے مشابہ ہے۔ اِسی واسطے اسے امام کہتے ہیں۔ اِسی طرح ادائے نماز ہے یہ بھی دو طرح سے متصوّر ہوتی ہے۔ فرداً یا اجتماعاً۔ اجتماع میں آدمی یا تابع ہوگا یا متبوع۔ اور انبیاء کا طریقہ یہی ہے کہ نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں نہ کہ تنہا۔ اور جماعت میں وُہ متبوع ہوتے ہیں نہ کہ تابع۔ پس نمازیوں کی جماعت کا متبوع ادائے نماز میں نبی کے مشابہ ہے اور وہی نماز کا امام ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جو کوئی مذکورہ کمالات میں سے کسی کمال میں انبیاء اللہ سے مشابہت رکھتا ہو وہی امام ہے۔ وُہ کمال لوگوں کے درمیان خواہ اِسس لقب سے مشہور ہو یا نہ ہو۔ پس بالضرور اکابر اُمت میں کوئی امام المحبوبین ہوگا تو کوئی امام المعظّمین فی الملائکۃ المقربین، کوئی امام السادات. کوئی امام الملہمین، کوئی امام المتوکلین. کوئی امام الاسخیا، کوئی امام المبعوثین، کوئی امام الرحماء کوئی امام المبارکین۔ کوئی امام الداعین، کوئی امام الفاضلین، کوئی امام الحکماء کوئی امام الواعظین، کوئی امام المجادلین. کوئی امام المتفرسلین. کوئی امام الامرائ کوئی امام القضاۃ اور کوئی امام المجتہدین وغیرہ۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض کاملین کو انبیاء کے ساتھ ایک کمال میں مشابہت ہوتی ہے اور بعض کو دو کمال میں اور بعض کو تین میں۔ اسی طرح بعض کو تمام کمالات میں مشابہت ہوتی ہے۔ پس امامت بھی مختلف مراتب پر ہوگی۔ کیونکہ بعض کے مراتب امامت میں دوسرے سے اکمل ہوں گے۔

مطلق امامت کی حقیقت کا بیان | پس جو کوئی مذکورہ تمام کمالات میں انبیاء اللہ سے مشابہت رکھتا ہوگا اس کی امامت تمام کاملین سے اکمل ہوگی۔ پس یہ ضرور ہوگا کہ اس امام اکمل اور انبیاء اللہ کے درمیان سوائے نبوّت کے امتیاز ظاہرہ نہ ہوگا۔ پس ایسے شخص کے حق میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص مرتبۂ نبوت سے سرفراز ہوتا تو بے شک یہی اکمل الکاملین سرفراز ہوتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

لو کان نبیًا من بعدی لکان عمر | اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔

اور اُس جلیل القدر شخص کے حق میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبی اور اس کے درمیان سوائے منصب نبوّت اور کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ

حضرت علیؓ کے حق میں فرمایا :-

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہٗ لا نبی بعدی۔	تمہاری اور میری نسبت موسٰی اور ہارون کی ہے۔ لیکن میرے بعد نبی نہیں۔

یہ ہے مطلق امامت کی حقیقت کا بیان اور اس کی قسمیں باب دوم میں مذکور ہوں گی۔ انشاء اللہ العزیز ؎

بابِ دُوم

اقسام امامت

اِس میں ایک مقدمہ ، دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے

مقدّمہ

امامتِ حقیقیہ و امامتِ حُکمیہ کے بیان میں اس کی دو صورتیں ہیں

پہلی صورت

امامتِ حُکمیّہ اکثر احکامِ شرعیہ کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور ایک ظاہریت۔ حقیقت تو وہ حکمت ہے جو اس حُکم کا باعث ہو اور ظاہریت ایک صورت ہے جو اس حُکم کی شکل ہوتی ہے۔ اِس کی تفصیل یہ ہے کہ شرائع سے اصل مقصود نفوسِ بنی آدم کے اعتقاد ، اخلاق ، عبادات . عادات اور معاملات کی تہذیب ہے۔ پس جو چیز بذاتہٖ تہذیب نفوسِ انسانی کا باعث ہے وہی چیز شرائع میں مقصود بالذّات ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل مقصود ایک نہایت نازک اور باریک نکتہ ہوتا ہے کہ اکثر آدمیوں کے ذہن اِس تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور اگر کبھی پہنچ بھی جائیں تو وہ لطیف نُکتہ دُوسرے امور کے ساتھ جو اس کی جنس سے نہیں اُن کے ذہن میں مُشتبہ ہو جاتا ہے۔ اور غیر مقصود سے مقصود کی تمیز اُن کے لیے مُشکل ہو جاتی ہے اِسی واسطے بعض ظاہری امور کو اس سرِ خفی کی جگہ رکھ دیتے ہیں اور صورت کو معنی کا حُکم دے دیتے ہیں اور

اسی ظاہری حکم کا اجرا کرتے ہیں اور اسی ظل کو قائم مقام اصل بنا دیتے ہیں۔
مثلاً ایمان لانے میں تصدیق قلبی ہے جو توجہ الی اللہ کا باعث ہے اور جلال خداوندی کے تذکر اور تولدِ حکمت کا باعث ہے، خشیت الٰہی کا جالب اور عظمتِ الوہیت کی معرفت کو برانگیختہ کرنے والا، اور شجرِ عبودیت کا تخم ہے۔ اگرچہ یہ امر مخفی ہے کہ کسی کا ادراک دوسرے کے حالاتِ قلبی تک نہیں پہنچ سکتا اور اس حالت کے حصول کی آرزو بھی ایک دوسرا امر اور ایک علیحدہ حالت ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک ان کا دوسرے سے ملتبس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ منفعت مذکور کا تعلق تصدیق کے ساتھ ہے۔ نہ کہ حصولِ تصدیق کی آرزو کے ساتھ۔ جیسا کہ آثار شجاعت، نفسِ شجاعت سے متعلق ہیں نہ کہ حصولِ شجاعت کے متعلق۔ اس لیے امور ظاہرہ کو (جو کہ اقرار زبان کے معنی ہیں) اسی سرِ خفی (جس کے معنی تصدیق قلبی ہیں) کے قائم مقام فرمایا ہے۔ اسی اقرار کو احکام شرعیہ کا مدار ٹھہرایا گیا ہے اور احکام اسلام اسی شخص پر جاری ہوتے ہیں جس سے اقرار زبان صادر ہو۔ اسی طرح حضور قلب اور احکام ظاہرہ کو نماز کے بارے میں سخاوت اور مقررہ مال کی مقدار کے خرچ کو زکوٰۃ کے بارے میں حصول ملکۂ صبر، ترک اکل و شرب و جماع کو روزے کے بارے میں جوش عشق و محبت و طواف و سعی میں حج کے بارے میں، غیرت ایمانی کے جوش جمعیت اسلامی و خواہشِ غنائم و کارزار کا درباہ جہاد، رضائے جانبین اور ایجاب و قبول کو نکاح اور بیع اور دوسرے تمام عقدوں کے بارے میں، مشقتِ سفر کا اٹھانا احکام سفر کے بارے میں تصور کرنا چاہیے۔ علیٰ ہذا القیاس۔
الغرض تمام شریعت کو ایک مجسم آدمی کی مانند تصور کر لو کہ اس کا ایک تو ظاہر ہے اور وہ گوشت چربی۔ ہڈیاں، اخلاط اور ارکان سے مرکب

جسم ہے۔ اور ایک اس کی حقیقت ہے اور وہ رُوح لطیف ہے جو عالم امر سے ہے جو قوائے لطیفہ کے متبع ہے اس میں باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ، خیالیہ، وہمیہ اور فکریہ قوئی وغیرہ ہیں۔ جب یہ نکتہ واضح ہو گیا تھا پھر باریک تر نکتے پر غور کرنا چاہیے کہ ہر چند تہذیب نفس انسان کے بارے میں مقصود اس سے شریعت کی حقیقت ہے جو دار الجزا میں مخفی امور ظاہر ہو جائیں گے اور انہی امور خفیہ کی مقدار پر عذاب و نعم کے مدارج پر پہنچیں گے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ عزّ واسمہٗ ہے:۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ۔ (الطارق)	جس وقت بھیدوں کی جانچ کی جائے گی تو اُس وقت کوئی قوت کام نہ آئے گی اور نہ کوئی مددگار ہو گا۔

لیکن شرعی دینی احکام کا مدار اسی ظاہر پر ہے اور بس۔ پس جب حقیقت مفقود اور ظاہر موجود ہو۔ اگرچہ وُہ امر عند اللہ بے اعتبار ہے لیکن ہم بندوں کو اجرائے احکام کے بارے میں صاحب صورت ظاہرہ سے اسی طرح پیش آنا چاہیے جیسا کہ صاحب حقیقت سے۔ مثلاً منافق اگرچہ اللہ کے ہاں اہلِ دوزخ کے گروہ سے اور کُفار کی قسموں سے بدتر ہے۔ پس گویا کہ منافق مومن حکمی ہے اور دُوسرا مصدق مومن حقیقی۔ یعنی جن منافع و فوائد کی مومن کو اپنے ایمان سے دار الجزا میں اُمید ہے وہ مومن حقیقی کو حاصل ہوں گے نہ مومن حکمی (منافق) کو ہاں اجرائے احکام میں منافق بھی مومن کا حُکم رکھتا ہے اسی واسطے اس کو مومن حکمی کہتے ہیں۔

ایسا ہی اگر کسی نے کسی عورت کے ساتھ جبر و اکراہ سے نکاح کیا اور زبردستی اس سے ایجاب یا قبول لفظ صادر ہُوا۔ پس اگرچہ وُہ نکاح کرنے والا

زانی کی مانند دارالجزا میں اپنے عمل کے بدلے میں گرفتار ہوگا۔ لیکن احکام ظاہرہ مثلاً ثبوتِ نسب، تعلق رشتہ دپیوند اور احکام وراثت میں ناکح بجبر کو .... مانند ناکح برضا کے شمار کیا جائیگا۔ اسی طرح مُخلص اور ریاکار عابد کا خیال کرلینا چاہیے۔ مثلاً خالص نمازی حقیقی نمازی ہے کہ قُربِ خدا اور مراتب مصلّی اور نزول رحمت و برکت دُنیا میں اور حصول درجات جنّت میں جو نمازیوں کے لیے وعدہ کیا گیا ہے بے شک اُس نمازی کو حاصل ہوں گے۔ مگر ریاکار نمازی حکمی نمازی ہے کہ تارکینِ نماز کی حد دتعزیر دُنیا میں تو اس سے ساقط ہوگی مگر عنداللہ وہ تارکینِ نماز کے مانند مردُود اور سراسر مطرود ہے چُنانچہ ارشاد خُداوندی ہے :-

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ	خرابی ہے اُن نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں یہ وہ ہیں جو دکھاوا کرتے ہیں اور منع کرتے ہیں برتنے کی چیزوں سے۔

(ماعون)

دُوسری صُورت

امامت حقیقیہ | یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ احکام شرعیہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتبار حقیقت سے وابستہ ہے اور اجرائے احکام کی بنا ظواہر پر ہے۔ ایسا ہی مناسب شرعیہ کو خیال کرنا چاہیے مثلاً امامت کی حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کے ہر ایک کمال میں امام تشبّہ اختیار کرے جس کا ظاہری عمل شریعت کے نزدیک دُنیا میں اسے امامت کا مقتدا قرار دیتا ہے۔ مگر

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمالات مذکورہ میں مشابہت کا ان کے حقیقی معنوں پر اعتبار ہوگا۔ احکام ظاہری اس کے وجود کی علامت سے متعلق ہیں۔ پس صاحبِ حقیقت اِس کمال کا حقیقی امام ہوگا اور صاحبِ ظواہر حکمی امام متصور ہوگا۔ مثلاً امامت فقاہت کی ایک حقیقت ہے اور وُہ اجتہاد کا صحیح ملکہ ہے اور ایک ظاہریت اور وہ احکام غیر منصوص کا اجراء ہے۔ پس اللہ کے نزدیک بلند درجہ ملکۂ اجتہاد کے ساتھ وابستہ ہے اور قضا و فتویٰ وغیرہ کا عہدہ بیانِ احکام کے ساتھ وابستہ ہے اگرچہ بروئے تقلید ہو۔ پس مُجتہد قاضی حقیقی قاضی ہے اور مقلّد قاضی حکمی قاضی ہوگا۔ اگرچہ مجتہد قاضی اللہ کے نزدیک مقلّد قاضی سے نہایت افضل و اکمل ہے لیکن مُسلمانوں کو مقلّد قاضی کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرنا چاہیے جیساکہ مُجتہد قاضی سے کرنا چاہیے مثلاً جب وُہ حکم کرے تو اس کے حُکم کو مختلف فیہ مسائل میں تسلیم کریں اور جب محکمے میں بلائے تو اس کی حاضری کو واجب سمجھیں اور جب حدود تعزیرات کو قائم کرے تو تسلیم کریں۔

سیاست ایمانی | اسی طرح سیاست ایمانی کی بھی ایک حقیقت ہے اور وہ پیغمبروں کی شفقتِ وافرہ ہے جو وُہ بندگانِ خُدا کے ساتھ اُن کی دینی و دُنیوی اصلاح میں کمال رغبت سے ظاہر کرتے ہیں خواہ جبراً ہو یا حکومتاً اس کے ساتھ فراست و امارت کا سلیقہ بھی ضروری ہے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے اجراء کا ظہور ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند مرتبہ اور قربِ منزلت فی جوار اللہ اسی شفقت و رغبت سے وابستہ ہے۔ اطاعت تسلّط کے وجوب اور اجرائے احکام شرعیہ پر موقوف ہے اگرچہ احکام مذکورہ کا اجرا سیاستِ سُلطانی کی بنا پر ہو یعنی طمع مال اور حصولِ سلطنت کی آرزو اور مُسلمانوں کے لشکر کا اجتماع اپنے مخالف کے دفعیئے کے لیے ہو۔ پس صاحب سیاستِ ایمانی فنِ سیاست میں امام حقیقی ہے اور صاحب

سیاستِ سُلطانی امام حُکمی ہوگا۔ ہاں اگر شرع کو تبدیل کیا اور مخالفِ شرع کام کا اجرا کیا۔ پس وُہ اِس صورت میں سیاست ایمانی کی صورت کو مسخ کرنے والا ہوگا۔ پس ایسے احکام میں اس کی اطاعت کسی مسلمان پر واجب نہیں بلکہ ممنوع اور حرام ہے جیسا کہ ارشادِ نبوی شاہد ہے۔

لاطاعة المخلوق فی معصیة الخالق	(کسی مخلوق کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی درست نہیں)

امامت حکمیہ یہ ہے کہ اِس مشابہت کی علامات ظاہری اِس شخص میں ہوں

فصلِ اوّل

امامتِ حقیقیہ کی قسمیں

امامت حقیقیہ کے معنیٰ امامت حقیقی کے معنی ہیں اوصافِ مذکورہ میں سے کسی وصف میں پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ مشابہت تامہ کے۔ اور وہ اوصاف بیشمار ہیں۔ پس اقسام امامت بھی بے شمار ہیں۔ اگر اقسام امامت کی ہر قسم کے بیان کی حقیقت اور تفصیل کی طرف پوری توجہ دی جائے تو بیان بہت طویل ہوجائے گا۔ اِس لیے یہاں صرف چند اعلیٰ قسموں کے مقامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دُوسری قِسموں کو انھی سے سمجھ لینا چاہیے۔

امامتِ خُفیہ اگر فقط کمال وجاہت اور اس کے شعبے اور کمالات ولایت اور اس کی قسموں میں مشابہت حاصل ہو اور بعثت، ہدایت اور سیاست میں مشابہت حاصل نہ ہو تو اس کو بھی اقسام امامت میں سے ایک قسم سمجھنا چاہیے۔ اور اسے خفیہ امامت سے تعبیر کرنا چاہیے۔

امامت باطنہ اور اگر بعثت اور ہدایت بھی اس کے ساتھ شامل ہوں تو اسے ایک دُوسری قسم سے شمار کرنا چاہیے اور اسے امامتِ باطنہ سے موسوم کرنا چاہیے۔

سیاستِ تامّہ اگر اس کے ساتھ سیاست بھی ہو گی تو وُہ ایک تیسری قسم ہو گی اور اسے سیاستِ تامہ سے ملقّب کیا جائے گا۔

ایک اور قسم یہاں بظاہر ایک اور قسم بھی معلوم ہوتی ہے اور وُہ یہ کہ فقط بعثت اور ہدایت میں مشابہت حاصل ہو۔ وجاہت ولایت اور سیاست میں نہ ہو۔ اور یہ قسم اگرچہ ظاہر سے معلوم ہوتی ہے لیکن فکرِ دقیق اور نظرِ عمیق کے اعتبار سے یہ قسم باطل ہے۔ کیونکہ اس مقام میں امامتِ حقیقیہ کی اقسام پر بحث ہے نہ کہ امامتِ حکمیہ کی اقسام پر۔ پس یہاں فقط بعثت و ہدایت کے وجود کے آثار کافی نہیں۔ بلکہ انبیاء اللہ کے اِن ہر دو کمال کے اقسام و شعب کی مشابہتِ تامہ ضروری ہے۔

امامت کی حقیقت گویا امامت کی حقیقت کو بعثت اور ہدایت کے بارے میں اس طرح سمجھو کہ حکیمِ مُطلق اپنے بندوں کی تربیت کے لیے اپنے مقربانِ بارگاہ میں سے کسی بندے کو چُن کر انبیاء اللہ کی نیابت کا منصب عطا فرما دیتا ہے پس ایک جلیل القدر کی نیابت کا منصب ایک ایسے شخص کو دینا بعید از حکمت ہے جو عزت و آبرو کے بارے میں حاضرینِ دربار کی مجلس میں رفعت اور کمالاتِ نفسانی کے معاملے میں اپنے منیب کے ساتھ مشابہت نہ رکھتا ہو۔ پس ثابت ہُوا کہ انبیاء

اللہ کی نیابت کا منصب اِن سے مشابہت کے بغیر نفسِ کمال میں متصور نہیں ہے۔

امامت خفیہ و امامت باطنیہ کا تعین پس فی الحقیقت امامتِ خفیہ امامتِ باطنیہ کا بیج ہے۔ اور منصبِ نیابت وحصولِ ثمر سوائے تخم کے ہرگز حاصل نہیں ہے۔ ہاں یہ بات ممکن ہے کہ کسی چیز کی ظاہری صورت کو ثمرات میں سے کسی ثمر کے مشابہ بنائیں۔ مثلاً لکڑی اور پتھر پر انگور کے سے لطیف و نازک دانے تراش کر رکھیں۔ پس وہ دانے انگورِ حکمی ہوں گے نہ کہ حقیقی۔

امامتِ باطنہ کے دو جزو پس امامتِ باطنہ کے دو جزو ہیں۔ پہلا لباسِ ظاہر اور وہ بعثت و ہدایت میں منصبِ نیابت ہے اور حقیقتِ پوشیدہ اور وہ مقام وجاہت وولایت ہے۔ اور دوسری جو امامت کے ساتھ کمالِ سیاست میں حاصل ہوتی ہے نہ کہ کمالاتِ اربعہ سابقہ سے۔ یہ قسم بھی قسم اوّل کی طرح ذہن رسا اور صحیح النظر کے نزدیک از قسم محالات ہے۔ کیونکہ سیاست میں امامت سے مراد یہاں انبیاء اللہ سے سیاستِ ایمانی کے قیام کی مشابہت تامّہ کا حصول ہے نہ کہ سیاستِ سلطانی کا اور یہ ظاہر ہے کہ سیاستِ ایمانی کسی شخص سے بتمام و کمال سیادت انبیاء کے مانند صادر نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ شخص مقرّبِ بارگاہِ ربانی اور مخزنِ کمالاتِ انسانی نہ ہو۔ اور تکمیلِ بندگان کے لیے مامور اور طریقِ ہدایت وارشاد سے ماہر نہ ہو اور یہ امر عقل سے بعید ہے (کیونکہ انبیاء سے مناسبت محال ہے)

ایک مثال اِس شخص کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی بادشاہ کا وزیر ہو۔ اور سیادتِ سلطانی کے معاملات اس کے ہاتھ سے بخوبی سرانجام پاتے ہوں۔ پھر بھی اس کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں (اگرچہ معاملاتِ سیاست اس سے بخوبی سرانجام ہوتے ہیں) کہ ذاتی کمالات یعنی عقل وسیاست، فہم وادراک، بختِ ارجمند اور بلند ہمتی میں وہ بادشاہِ مذکور سے مشابہت نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ امر سراسر باطل اور محال ہے۔

دُوسری مثال دُوسری مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں آدمی اگرچہ لطیف شعر کہتا ہے لیکن نزاکت طبعی اور شعر کا ملکہ نہیں رکھتا۔ اور اگرچہ دقیق مضامین لکھتا ہے لیکن ذہن رسا اور ملکۂ تحریر و تقریر نہیں رکھتا۔ ایسا ہی امامتِ ظاہرہ کا (جسے خلافت کہتے ہیں) امامتِ باطنہ سے مقابلہ کرنا چاہیئے کیونکہ خلافت بمنزلہ سامانِ بادشاہی کے ہے۔ مثلاً اجتماع عساکر اور نفاذ حکم و تسلط بلدان و بنائے قلعہ ہا و سامانِ حرب وغیرہ۔

امامت باطنہ کی تشبیہ اور امامتِ باطنہ بمشابہ حقیقت سلطنت کے ہے جیسا کہ اقبال و عقل و تدبیر، خزائن و دفائن وغیرہ۔ پس جس طرح سامانِ سلطنت کی رونق اور انتظام کارخانہ حکومت، دفورِ خزائن و قوّت عقل اور تدبیر و ترقی اقبال پر دلالت کرتا ہے ایسے ہی سیاستِ ایمانی کا اجرا صحیح صحیح قانونِ سیاستِ انبیاء تحقیق امامتِ باطنہ پر دلالت کرتے ہیں۔ پس فی الحقیقت ابوابِ امامت تامہ کی ایک اصل ہے اور وہ امامتِ باطنہ ہے جس کا ایک ظاہر ہے اور وہ خلافتِ ظاہرہ ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ یہ جو خاص و عام کی زبان پر ہے کہ بعض اوقات ایک شخص کو منصب امامتِ ظاہرہ اتفاقاً حاصل ہو جاتا ہے حالانکہ وہ امامتِ باطنہ سے معطل ہوتا ہے۔ پس یہ بات بعید از عقل ہے۔ احتمال یہ ہے کہ امامت ظاہرہ سے ان کی مراد امامتِ حکمیہ ہو۔ پس ان کا ماحصل یہ ہو گا کہ بعض اشخاص کو منصب سلطنت حاصل ہوتا ہے اور سیاستِ سُلطانی ان سے بخوبی سرانجام ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ معاملاتِ ربانی، کمالاتِ نفسانی اور اصلاح عالم و تربیتِ بنی آدم میں، کسی طرح بھی انبیاء اللہ سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور مقربانِ بارگاہِ حضرتِ حق تعالیٰ جیسے مشابہت حقیقی حاصل نہیں۔ اِس بنا پر ضروری ہے کہ امامتِ حقیقیہ اور امامتِ حکمیہ کو علیحدہ علیحدہ دو فصلوں میں بیان کیا جائے ؂

ان کو بزرگانِ امت و ملّت سے نہیں جانتے ۔ یہ بات صحیح ہے ۔ لیکن یہاں معانیِ سلطنت کی تحقیق پر بحث نہیں بلکہ خلافتِ نبوت کے معانی کی تصدیق پر ہے ۔

امامتِ حقیقیہ کی تین قسمیں | اس بیان سے واضح ہوا کہ امامتِ حقیقیہ کی عمدہ اقسام تین ہیں ؛۔

(۱) امامتِ خفیہ (۲) امامتِ باطنہ اور (۳) امامتِ تامّہ ۔ پس ان کو تین صورتوں کے ضمن میں لکھا جاتا ہے ؛

اوّل امامتِ خفیہ

امامتِ خفیہ کے معنی | امامتِ خفیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منازلِ وجاہت ومقاماتِ ولایت کے ساتھ مشابہت کا حصول ہے اور عموماً سیادت جیسے وساطت کہا جاتا ہے، رب العزت اور بندوں کے درمیان حصولِ فیوضِ غیبی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ باوجودیکہ یہ لوگ ہدایت کے لیے مبعوث نہیں ہوتے۔ پس ضروری ہے کہ یہ وساطت حصولِ فیضِ تکوینی کے لیے متحقق ہوتی ہے نہ کہ فیضِ تشریعی کے لیے۔ پس حکیمِ مطلق ان کو تصرفاتِ کونیہ میں واسطہ بناتا ہے۔ مثلاً نزولِ بارش و پرورشِ اشجار، سرسبزیٔ نباتات وبقائے انواعِ حیوانات وآبادیٔ قریہ وامصار، تقلّبِ احوال وادوار، وتحویلِ اقبال وادبارِ سلاطین وانقلابِ حالاتِ اغنیاء ومساکین اور ترقّی وتنزّلِ صغار وکبار، اجتماع وتفرقِ جنود وعساکر ورفع بلا ودفع وبا وغیرہ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلاً کلما مات رجل ابدال اللہ مکانہ رجلاً لیسقی بھم الغیث	ملک شام میں چالیس ابدال ہوں گے جب اُن میں سے کوئی شخص وفات پاجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کو اس کی جگہ پر مقرر

وبنصرهم على الاعداء وبصرف عن اهل الشام بهم العذاب	کر دیتا ہے۔ اُن کی برکت سے مینہ برستا ہے، دشمنوں پر فتح ہوتی ہے انہیں کی برکت سے شام والوں پر عذاب نہیں آیا۔

ان کی وساطت امورِ مذکورہ میں تین طرح سے ثابت ہوتی ہے۔
اوّل نزولِ برکت۔ دوم عقدِ ہمت۔ سوم ورُودِ الہام۔

نزولِ برکت کی مثال یوں سمجھئے مثلاً (۱) اللہ تعالیٰ نے آفتاب کے جسم کو باعث تنویر عالم اور دافع تاریکی بنایا ہے (اگرچہ اطرافِ عالم میں نُور کا پھیلنا اور روئے زمین سے سیاہی کا دُور ہونا محض خدائے عزّوجل کی قدرتِ کاملہ سے ہے) اگر کوئی آفتاب کو خالق نُور سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ جس وقت آفتاب طلوع ہوتا ہے تو تمام جہان روشن ہو جاتا ہے (۲) اسی طرح مقرّبانِ بارگاہ ملائکہ ہیں کہ جن کا وجود بمنزلہ آفتاب کے ہے جو چرخِ ملکوت کے اوج پر چمکتا ہے۔ (۳) اور اسی طرح چاند ہے جبروت میں جو شبِ تاریک میں درخشاں ہے ان تمام کے ساتھ غیب سے ایک نُور ظاہر ہوتا ہے جو اصلاحِ عالم، انتظامِ بنی آدم، گردشِ ایام اور تغیّرِ حالات زمانہ کا سبب ہوتا ہے۔ پس جو کچھ تغیرات وانقلابات اطرافِ عالم یا بنی آدم میں پیدا ہوتے ہیں کوئی بھی ان کی قدرت سے نہیں ہوتے اور نہ ان میں بذاتہٖ کسی تصرف کی طاقت ہے بلکہ اللہ رب العزت نے ان کو تصرّفِ عالم کے آثار کی قدرت عطا فرما کر بنی آدم کے کاروبار ان کے سپرد کر دیئے۔ پس یہ بحکمِ خُدا اپنی طاقت صرف کرتے اور گوناگوں تصرفات اور رنگا رنگ تغیّرات عالمِ کون میں ظاہر کرتے ہیں۔ لہذا یہ اعتقاد کہ وہ بذاتہٖ متصرف ہیں محض شرک اور کفر ہے۔ اگر کوئی اُن کی نسبت یہ عقیدہ رکھے تو بے شک وہ مشرک مردُود اور کافر مطرود ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ

تقدیرِ الٰہی کا نزول کسی مقبولِ بارگاہ کی وجاہت یا دُعا کی بنا پر ہو تو یہ دُوسری بات ہے اور تصرّفات کونی کا صدور اسی مقبولِ بارگاہ سے اگرچہ بامراللہ ہو علیحدہ بات ہے۔ پہلا عین اسلام ہے (یعنی خدا اُن کو طاقت دے) اور دُوسرا محض کفر (یعنی وُہ خود متصرف ہو سکتے ہیں) ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کُجا است تا بکجا

وفورِ شفقت کی تفصیل

عقدِ ہمت کے بیان کی تحقیق دو طرح پر ہے۔ اوّل وفورِ شفقت۔ دوم ظہورِ اثرِ تقدیر۔ کہ بندگانِ خُدا سے شفقت کا زیادہ ہونا مقامات ولایت میں سے ہے جو ولایت کے کامل ہونے کا نتیجہ ہے۔ چونکہ وُہ حضرات ہدایت (بطریق نبوت) کے لیے مبعوث نہیں ہوئے اِس لیے اُن کی شفقت عباد اللہ کے حق میں ان کے معاشی حالات ہی تک محدود ہے مثلاً دفعِ بلا، حصولِ عطیات، ترقیِ حال وعروجِ اقبال وغیرہ۔

پس جس طرح عباد اللہ کے لیے مبعوثین کی شفقت اُمورِ آخرت کی اصلاح میں مصروف ہوتی ہے ایسا ہی ان بزرگوں کی شفقت عباد اللہ کے لیے معاش میں ان کے حال کے انتظام پر لگی رہتی ہے۔ پس مبعوثین کی شفقت عباد اللہ کے حق میں ایسی ہوتی ہے جیسے باپ کی شفقت اولاد کے حق میں۔ اور ان بزرگوں کی شفقت ایسی ہوتی ہے جیسے ماں کی اولاد کے ساتھ۔ پس جیسا کہ پدری شفقت اصلاحِ حال کو مدِّنظر رکھتی ہے اگرچہ اِس حال میں اس کو کسی قسم کی تکلیف بھی ہو اور شفقت مادری کا حال اس کے برعکس ہے۔ ایسا ہی مبعوثین کی شفقت اور ان بزرگوں کی شفقت کے درمیان فرق ہے اسے غور سے سمجھنا چاہیے۔ حاصلِ کلام یہ کہ ان کا وجودِ مبارک وفورِ شفقت کے سبب سراسر دُعائے حالی ہے اور کبھی دُعائے مقالی کی طرف بھی کھنچا جاتا ہے۔ اور مجیب الدعوات واہب العطیات ان کی اکثر

اضطراری دُعائیں جو شدّتِ شفقت سے نکلتی ہیں اپنی حکمتِ بالغہ سے قبول فرما لیتا ہے۔

ظہورِ اثر کی تفصیل یوں ہے کہ ان بزرگوں کا سینہ صاف اور شفاف شیشے کی مانند ہے جو انعکاسِ نورِ غیبی سے سراسر درخشاں اور فیضِ خداوندی سے تمام عالم پر نور افشاں ہے۔ عالمِ تقدیر میں جو کچھ مقدّر ہوتا ہے اور ارادہ ربّانی اس کے صادر ہونے کے متعلّق ہوتا ہے تو اس چیز کے وجود کی خواہش ان کے صاف دِل میں جوش مارتی ہے اور اس کے ظہور کے لیے دست بدعا ہوتے ہیں ان کی دُعا درگاہِ رب العزت میں قبول ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اِس دُعا کا ظہور ہی تقدیرِ ربّانی کی تمہید ہے ورنہ انسانی تصرفات وخیالات کا اِس میں کوئی دخل نہیں۔

ورودِ الہام کا بیان یہ ہے کہ یہ بزرگ بہ طریقِ تفہیم و تعلیم از مقامات ومعاملات افعالِ عامّہ بشریہ میں سے کسی فعل کے ساتھ بہ ارشادِ غیبی مامور کیے

جاتے ہیں۔ جیسے کسی کو مار ڈالنا یا کسی چیز کا دینا یا لینا یا وُہ تمام امور ہیں جن کا افرادِ بنی آدم میں رات دن شیوع واجرا ہوتا رہتا ہے (عوام الناس ان امور کو اپنی نفسانی خواہشوں کی بنا پر عمل میں لاتے ہیں) مگر بزرگانِ دین بہ الہامِ ربّانی ان کو انجام دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:۔

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ	میں نے اسے خود بخود نہیں کیا۔

(کہف)

پس وُہ اقوال وافعال جو عوام الناس سے صادر ہوتے ہیں ان عادات میں شمار ہوتے ہیں مگر اولیاء اللہ سے جو فعل ہو وہ عبادت میں شمار ہوگا الغرض اِن بزرگوں کے اعمال برائے اصلاحِ حالِ عالم ہیں بخلاف عوام الناس کہ ان کے اعمال

کا ثمرہ لذاتِ نفسانی کی بنا پر ہے ؎

موسٰی اندر درخت آتش دید   سبز شد آں درخت اندر نار

شہوت و حرصِ مردِ صاحبدل   ایں چنیں واں ایں چنیں انگار

ان کے حال کو ملائکہ کے حال پر قیاس کرنا چاہیے۔ ہزاروں انبیاء اور اولیاء کا قتل جو عزرائیل علیہ السلام سے صادر ہوتا ہے۔ چونکہ الہام ربانی کی بنا پر ہے اس واسطے سرمایۂ سعادت ہے اور حضرت زکریا کا قتل جو ایک ظالم شقی سے ہوا چونکہ وہ ہوائے نفسانی سے تھا اس لیے سراسر باعثِ شقاوت ہوا۔ پس اکثر ان کا حال، ملائکہ کے حال کے مانند ہے:

ملائکہ کی قسمیں ملائکۃ اللہ کی ۲ دو قسمیں ہیں۔ ایک ملاء اعلیٰ۔ دوسرے مدبرات الامر۔ ملاء اعلیٰ کی شان اطلاقی ہے جو کسی خاص قوم یا شہر کی اصلاح کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کی نظر تمام عالم کی اصلاح اور تمام بنی آدم کی خدمت پر ہے۔ لیکن مدبرات الامر میں سے ہر ایک ایک معین کارخانے پر مؤکل ہے اور ان کی ہمت اس کام کی اصلاح کے لیے صرف ہوتی ہے۔ کوئی ان سے کارخانۂ ابر و باد پر مؤکل ہے، کوئی ارحام کے اندر صورت و شکل بنانے پر اور کوئی بنی آدم کی حفاظت وغیرہ پر مامور ہے۔

اولیاء کی قسمیں ایسا ہی ان بزرگوں میں سے بعض تو بنی آدم کے مطلق حال کی اصلاح پر مامور ہیں کسی شہر یا قوم کے لیے مخصوص نہیں ہیں۔ جیسا کہ خضر علیہ السلام اور ابدال و اوتاد و افراد ہیں۔ مگر بعض دوسرے کسی خاص قوم یا کسی خاص شہر یا لشکر سے خصوصیت رکھتے ہیں جیسا کہ قطب، نجباء اور رقباء۔ ان کو اہلِ خدمات کہتے ہیں۔ پس اول قوم تو ملاء اعلیٰ کی نائب ہے اور دوسری مدبرات الامر کی۔ پس جیسا کہ ملائکہ مقربین کی حالیہ و مقالیہ دعاؤں میں اختلاف واقع ہوتا ہے کہ ایک

تو کسی قوم کا عروج چاہتا ہے اور دُوسرا دوسری قوم کا۔ اور ایک ایک چیز کو ترجیح دیتا ہے اور دُوسرا دُوسری چیز کو۔ اِس کو اختصام ملاء اعلیٰ کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے فرمایا ہے :۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ (ص)	مجھے ملاء اعلیٰ کے متعلق علم نہیں ہے جب کہ وہ جھگڑتے تھے

پھر حق جلّ وعلیٰ اپنی حکمتِ بالغہ سے کسی امر کو جو مناسب مصلحت ہو جاری فرماتا ہے۔ کبھی ایک کی دُعا کو قبول فرماتا ہے اور کبھی دُوسرے کی دُعا کو۔ جیسا کہ خود فرمایا :۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۔ (زمر)	تُو نے فرشتوں کو دیکھا کہ صفیں باندھے ہوئے عرش کے گرد تسبیح کرتے ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور اِن میں فیصلہ کیا گیا اور کہا گیا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔

ایسے ہی اہلِ خدمات کی دُعاؤں اور ہمتوں میں بھی اختلاف واقع ہوتا ہے کہ ایک تو ایک لشکر کی فتح مندی چاہتا ہے اور دُوسرا دُوسرے کی کامیابی۔ قُدّوس کبھی اِس کی دُعا کو قبول فرماتے ہیں اور کبھی اُس کی دُعا کو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ (انعام)	یہ اندازہ غالب اور جاننے والے کا ہے۔

تنبیہ اگرچہ بزرگ لوگ انبیاء کے اوصاف وجاہت اور مقامات ولایت

سے مشابہتِ تامّہ رکھتے ہیں۔ تاہم ان کی نیابت کا منصب ہدایت کے بارے میں اور ان کی خلافت کا مرتبہ سیاست کے بارے میں نہیں ہوتا۔ بنابریں ائمہ کے لقب سے ملقب نہیں کیے جا سکتے :۔

دوم امامتِ باطنہ

امامتِ باطنہ کے معنیٰ یقیناً صاحبانِ امامتِ خفیہ اکثر ملائکہ مقربین کا ظل تو ہیں مگر انبیاء مرسلین کے مانند انتظامِ عالم کے لیے مامور نہیں۔ اور نہ بنی آدم ہی کی ہدایت کے لیے مبعوث ہیں۔ صرف خدمتِ خلق کے لیے مامور ہوتے ہیں۔ احکام شرع متین میں متبوع نہیں۔ اسی لیے امام کے القاب سے ملقب نہیں ہو سکتے اور نہ منصبِ بعثت تک پہنچتے ہیں۔ اربابِ امامت تامّہ خلیفۂ راشد کے القاب سے ملقّب ہوئے مُطلق لفظ امام سے صاحبِ امامتِ باطنہ سمجھا جاتا ہے اور بس جیسا کہ کلام رب العالمین میں لفظ امام اکثر اسی صاحبِ منصب پر مستعمل ہے۔ مثلاً

(۱) وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (البقرہ)	جب ابراہیمؑ کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور اس نے ان کو پورا کر دیا تو فرمایا میں تجھے لوگوں کا پیشوا (امام) بناؤں گا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت خلیلؑ سے سیاست وقوع میں نہ آئی بلکہ آنجناب سے عوام الناس کی نسبت جو کچھ ثابت ہے یہی متبوعیتِ اقسام ہدایت ہے۔

(۲) وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	ہم نے ان میں سے امام بنائے ہیں جو ہمارے

بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ (سجدہ)	حکم سے ہدایت کرتے ہیں جب انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین کیا۔

اور فرمایا :-

(۳) وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَ	ہم نے انہیں امام بنایا جو ہمارے حکم سے راہ بتاتے ہیں اور ہم نے ان کو اچھے کام کرنے
اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۙ (انبیا)	اور نماز قائم کرنے اور زکواۃ دینے کا الہام کیا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

انبیاء کی امثال پس جاننا چاہیے کہ یہ تمام امثال انبیاء کی ہیں اور انبیاء کا حال انتشارِ ہدایت میں مختلف ہے۔ بعض سے ہدایت مکمل طور پر ہوئی۔ جیسا کہ خاتم الانبیاء و کلیم اللہ علیہما السلام اور بعض سے ان سے کم جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام اور بعض تو بنی آدم میں سے ایک کے لیے بھی باعثِ ہدایت نہ ہو سکے۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام۔ پس جس طرح ان میں سے ہر ایک بمنزلہ مرتبہ، عزت و بلندی درجات اعلیٰ اور رسالت میں خاص اور بعثت میں لائق تھا اسی طرح رحمت و شفقتِ وافرہ میں یگانۂ عصر اور بابِ ہدایت میں یکتائے روزگار تھا اور ہدایت کی قلت و کثرت کا ظہور کسی طرح بھی ان کے منصب کے تنزل کا باعث نہ ہوا اور نہ کسی وجہ سے نقص کا غبار ان کے دامنِ پاک تک پہنچا تمام وہ منصب نبوت میں یک رنگ اور میزان رسالت میں ہم پلہ ہیں۔ اسی طرح آئمہ کی شان بھی انتشارِ ہدایت کی قلت و کثرت کے بارے میں مختلف ہے باوجودیکہ شانِ امامت میں یکساں ہیں۔ کسی امام سے ظہورِ ہدایت کی قلت ان کے درجۂ اعلیٰ و ارفع کے تنزل یا کمی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ آئمہ اہلِ بیت میں سے

ایک امام علّامہ جعفر صادق ہیں۔ جو پیشوائے عالم اور رہنمائے بنی آدم ہیں۔ ایک دَور ان ہی میں سے ان کے جدِ امجد حضرت سجّادؑ ہیں جن سے سوائے چند اکابر اہلبیت کے بہت کم لوگ مستفید ہوئے۔ پس اِس تفاوت کے لحاظ سے ایک کے لیے منصب امامت ثابت کرنا اور دُوسرے سے ساقط کرنا ایسا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے نبوّت ثابت کرنا اور حضرت لُوط علیہ السلام کو اس مرتبہ سے گرانا۔ (العیاذ باللہ)

امامت کی دو قسمیں پس یہاں امامت کی دو قسمیں ہو گئیں۔ امامت مشہورہ۔ امامت غیر مشہورہ۔ فی الحقیقت امامت عطیۂ ربانی ہے نہ کہ اصطلاحاتِ انسانی۔ ہاں اگر سعادت مندانِ زمانہ اس سے فیض یاب ہوں تو وہ امامتِ مشہورہ ہو گی ورنہ غیر مشہورہ۔ اِس مقام میں چند لطیفے ہیں جو چند نکات کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں:۔

نکتہ اوّل امامت ظلِ رسالت ہے۔ بناء اس کی اظہار پر ہے نہ کہ اخفا پر۔ برخلاف ولایت کے۔ پس جیسا کہ منازل و وجاہت اور مقامات کا دعویٰ اور معاملاتِ ربّانی وکشف و اسرار رُوحانی کا بیان ارباب ولایت کے حق میں مظنۂ سلب و زوال ہے اسی طرح ان کے حق میں ترقی و کمال کا باعث ہے۔ وُہ کلمات جو فخر کے اقسام سے آئمہ ہدیٰ سے ظاہر ہوئے جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:۔

انا الصدیق الاکبر لا یقولها بعدی الا کذاب وانا القرآن الناطق	مَیں صدیقِ اکبر ہوں میرے بعد یہ لفظ سوائے کذّاب کے کوئی نہ کہے گا اور مَیں قرآنِ ناطق ہوں۔

اور جو سید الشہداء سے معرکۂ کربلا میں فخریہ اشعار مروی ہیں اور ایسے ہی کلمات تمام ائمہ اہلِ بیت اور سید عبد القادر جیلانیؒ اور دیگر ائمہ ہدیٰ سے بھی

صادر ہوئے ہیں۔ اِن کلمات کو نعمۃ اللہ اور تشبت رحمۃ اللہ کی قبیل سے شمار کرنا چاہیے نہ کہ ہرزہ سرائی اور خودستائی کی جنس سے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

نکتہ دُوم امام نائبِ رسولؐ ہے اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ اپنے بندوں میں انبیاء اور رسولوں کے ذریعے جاری فرمایا وہی طریقہ ائمہ کے ذریعہ بھی جاری فرماتا ہے اور ائمہ کے ذریعہ انبیاء کی بعثت کے لیے اتمامِ حُجت ہے۔ یعنی جب تک کہ رسُولؐ کی بعثت متحقق نہیں ہوتی اور ان کا جحود و انکار بدبختوں سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ملک العلام کا انتقام اہل معاصی و آثام کے حق میں متحقق نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا (بنی اسرائیل)	ہم اُسوقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک اپنا رسول بھیج کر اتمام حُجت نہ کرلیں۔

اور یہ اتمامِ حُجت بعثتِ ائمہ سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ چُنانچہ ارشاد ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ الخ (یٰس)	اُن کو اہل قریہ کی مثال سُناؤ جب آئے ان کے پاس رسُول (آخر قصہ تک)

مُراد اس قریہ سے قریہ انطاکیہ ہے کہ حواریین حضرت عیسیٰؑ رُوح اللہ ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور اہل انطاکیہ ان سے جحود و انکار سے پیش آتے اور ملک العلام کے انتقام میں گرفتار ہوئے۔ اِس بارے میں ارشاد باری ہے:۔

وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِ مِن بَعْدِهِ	ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی لشکر

مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝ (یٰس)	نہیں اُتارا اور نہ ہم اُتارنے والے تھے۔ نہیں تھی وہ مگر ایک آواز۔ پس اُس وقت وُہ بجھ کر رہ گئے۔

امام حجۃ اللہ ہے پس یہ بات دل سے سمجھنی چاہیئے کہ جب جُملہ اوقات میں کسی وقت بھی ایک امام کھڑا ہو اور دعوت اس کی ظاہر ہو تو بیشک تمام اہلِ معصیت وفساد پر حجۃ اللہ کا اتمام ہوگیا اور انتقامِ الٰہی کا وقت ان پر آپہنچا۔ پس گویا معاصی اور گناہ امام کے معارضے اور مقابلے کی وجہ سے کامل ہوتے ہیں اور بیشک سرحدِ انتقام کی طرف لے جاتے ہیں۔

ازانجملہ ان کی تلاش اور معرفت میں بندگانِ خدا مامور ہیں۔ چُنانچہ ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (مائدہ)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اُس کی طرف وسیلے کی تلاش کرو۔

وسیلہ سے مُراد اور وسیلہ سے مُراد وہ شخص ہے جسے منزلت میں تقربِ خدا حاصل ہو۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ (بنی اسرائیل)	وُہ لوگ جو پُکارتے اور اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ کون ان میں سب سے زیادہ مقربِ بارگاہ ہے۔

ہر امام سے اقرب الی اللہ رسول ہے اور باعتبار منزلت کے اقرب الی اللہ اوّل رسول ہے بعد ازاں امام جو اس کا نائب ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ احب الناس الی اللہ یوم القیامۃ	لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس کا

وَاَقْرَبَهُمْ مجلسًا امام عادل | مقرب قیامت کے دن امام عادل ہوگا۔

اور فرمایا:-

من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ | جس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

مواعید کا ایفا از انجملہ بعض مواعید کا ایفا ہے کہ حق جل و علیٰ نے اپنے رسولؐ کو ان سے موعود فرمایا۔ پس ان میں سے بعض کا ایفا پیغمبرؐ کے ہاتھ سے ہُوا اور بعض کی آپ کے نائبوں کے ہاتھ سے تکمیل ہوئی۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ (توبہ وغیرہ) | وہ ذات پاک وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب ادیان سے ممتاز کر دے

دین کی ابتدا و انتہا اور ظاہر ہے کہ ظہورِ دین کی ابتدا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی اور اس کی تکمیل حضرت مہدی علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوگی۔ اور ایسا ہی قیصر و کسریٰ کے املاک اور ان کے خزائن کا مالک ہونا آں حضرت ــہ علیہ وسلم سے اس کا وعدہ کیا گیا تھا مگر ظہور اس کا خلفائے راشدین سے واقع ہُوا۔

اتمام امر اللہ منجملہ مذکورہ امور کے ایک اتمام امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مامور ہوئے تھے اور اس کی ادائگی امام سے بھی ظاہر ہوئی

چنانچہ قرآن میں ہے:- قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (اعراف) | کہہ دیجیے کہ اے لوگو میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اور ظاہر ہے کہ تبلیغِ رسالت تمام انسانوں کی نسبت آں جناب سے ثابت نہیں

بلکہ امرِ دعوت حضور سے شائع ہو کر یوماً فیوماً خلفائے راشدین اور آئمہ مہدیین کے واسطے سے ترقی کو پہنچا۔ یہاں تک کہ امام مہدی علیہ السلام کے واسطے سے تکمیل پائے گا۔ اسی نیابت کو مذکورہ امور میں وصایا کہا گیا ہے۔ یعنی جس طرح وصی ادائے حقوق اور طلب میں منیب کا قائم مقام ہوتا ہے اسی طرح امام بھی اِن معاملات میں جو خدا اور اس کے رسول کے درمیان منعقد ہوئے پیغمبر کا قائم مقام ہے۔

ثبوتِ ریاست اِن میں ایک ثبوتِ ریاست ہے۔ یعنی جس طرح انبیاء اللہ کے لیے اپنی اُمت میں ایک قسم کی ریاست ثابت ہے کہ ان کی اس ریاست کے لحاظ سے لوگوں کو رسول کی اُمت اور رسول کو اس اُمت کا رسول کہتے ہیں اور بہت سے دُنیوی امور میں بھی ان پر تصرف رسول کا اجرا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (احزاب)	ایمان والوں کے لیے نبی ان کی جانوں سے بہتر ہے۔

آخرت میں ولایت اور آخرت کے مقدمات میں بھی اس کی ولایت ثابت ہے کما قال اللہ تعالیٰ :۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَھِیْدٍ	پس کیا ہوگا جب ہر ایک اُمت سے ایک
وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا (النساء)	گواہ لایا جائیگا اور آپ کو اِن پر گواہ بنایا جائے گا۔

اِسی طرح امام کو بھی دُنیا و آخرت میں اِس ریاست کے مانند مبعوث الیھم

سے نسبت ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:۔

الستم تعلمون انی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم قالوا بلیٰ فقال اللّٰھم من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ	کیا تم کو معلوم نہیں کہ مومنین کے لیے میں ان کی جانوں سے بہتر ہوں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہاں! پھر فرمایا اے اللہ میں جس کا دوست ہوں، علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔
یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصّٰفّٰت)	جس دن ہم سب لوگوں کو بلائینگے مع ان کے اماموں کے اور انہیں ساتھ کھڑا کر کے ان سے سوال کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انھم مسئولونَ عن ولایۃ علیٌ — ان سے حضرت علیؓ کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

نکتہ سوم امام، رسول کے سعادت مند فرزند کے مانند ہے۔ باقی تمام اکابر امت و بزرگان ملت ملازموں، خدمتگاروں اور جاں نثار غلاموں کے مانند ہیں۔ پس جس طرح تمام اکابر سلطنت وارکان مملکت کے لیے شہزادۂ والا قدر کی تعظیم ضروری اور اس سے توسّل موجبِ سعادت ہے اسی طرح اِس سے مقابلہ کرنا شقاوت کی علامت اور اس پر مفاخرت کا اظہار بدانجامی پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا ہی ہر صاحبِ کمال کے حضور میں تواضع اور تذلل سعادتِ دارین کا باعث ہے۔ اور اس کے حضور میں اپنے علم و کمال کو کچھ سمجھ بیٹھنا دونوں جہان کی شقاوت ہے۔ اس کے ساتھ یگانگی رکھنا رسول سے یگانگی ہے اور اس سے بیگانگی رسول سے بیگانگی کے مترادف ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ نیابتِ پیغمبر بھی اللہ رب العزت کی طرف سے اسے تفویض ہو چکی ہو۔ اِس بات

کو ذیل کی مثال سے سمجھ لیجیے۔ مثلاً ایک بادشاہ کے مقربوں میں سے کوئی امیر
جلیل القدر تمام اہلِ دربار میں خاص خدمت پہ مامور اور ایک بلند منصب
پر فائز ہو۔ اس کے ہاں ایک نیک بخت بیٹا ہو جو اپنے باپ کے برابر لیاقت
و ہنر رکھتا ہو، بادشاہ اور ارکینِ دربار اس کو عزّت و توقیر کی نگاہ سے بھی دیکھتے
ہوں یہاں تک کہ باپ کی نیابت کا منصب بادشاہ نے اُسے تفویض کر دیا ہو
اب اگر اس کے باپ کے رُفقاء میں سے کوئی اس کے ساتھ مقابلتاً شرکت کرے
اور اس کے مقابلے میں اپنے منصب پر تفاخر کرے تو یقیناً بادشاہ کی طرف سے
اس پر نافرمانی اور بغاوت کا الزام عائد ہوگا اور مستوجب عتابِ شاہی
ہوگا۔ اِسی طرح امامِ وقت سے سرکشی اور رُوگردانی گُستاخی کا باعث ہے
امام کے ساتھ بلکہ خود گویا کہ رسول کے ساتھ ہمسری ہے۔ اور خفیہ طور پر خود
رب العزّت پر اعتراض ہے کہ ایسے ناقص شخص کو کامل شخص کی نیابت کا
منصب عطا ہُوا۔ الغرض اس کے توسّل کے بغیر تقربِ الٰہی محض وہم و خیال ہے
جو سراسر باطل اور محال ہے ؎

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق　　　گر ملک باشد سیاہ گردد ورق

نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :-

حُب علیؑ حسنۃ لا تضر معھا سیّئۃ و بغض علیؑ سیّئۃ لا تنفع معھا حسنۃ	علیؓ کی دوستی نیکی ہے جس کے ساتھ گناہ نقصان نہیں کرتا اور علیؓ کی دشمنی ایک گُناہ ہے جس کے سامنے کوئی نیکی فائدہ مند نہیں۔

اور فرمایا :-

الا انّ مثل بیتی فیکم کمثل	خبردار میرے اہل بیت تمہارے لیے کشتیٔ

سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ ومن تخلّف عنھا ھلک	نوحؑ کے مانند ہیں جو سوار ہُوا بچ گیا اور جو رہ گیا ہلاک ہُوا۔

رزقنہ اللہ وسائر المسلمین حب اھل البیت واتباعھم بل حب جمیع ائمۃ الھدیٰ واتباعھم۔ امین یارب العٰلمین۔

سوم امامتِ تامّہ

امامتِ تامّہ کے معنی امامتِ تامّہ کو خلافتِ راشدہ، خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافتِ رحمت بھی کہتے ہیں۔ واضح ہو کہ جب امامت کا چراغ شیشۂ خلافت میں جلوہ گر ہُوا تو نعمتِ ربّانی بنی نوعِ انسان کی پرورش کے لیے کمال تک پہنچی اور کمالِ روحانی اسی رحمتِ رحمانی کے کمال کے ساتھ نورٌ علیٰ نورٍ آفتاب کے مانند چمکا۔ اگرچہ خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے نعمت و رحمت حق جلّ وعلیٰ کی طرف سے تمام اور کامل ہوئی۔ لیکن کبھی اہل زمانہ کی سعادت اِس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جمہور اہلِ اسلام خلافتِ راشدہ کے قبول پر اتّفاق کریں اور جان و دِل سے خلیفۂ راشد کی حکومت تسلیم کریں۔ تو خلافتِ ربّانی منتظم ہو جاتی ہے اور سیاست ایمانی کا مقدمہ بخوبی انجام پاتا ہے۔ اِس کو خلافتِ منتظم کہتے ہیں۔ بعض وقت تقدیرِ ربّانی اور قضائے آسمانی کے بموجب خلیفہ راشد ظہور فرماتا ہے اور اقامتِ خلافت کے لیے بہت کوشش کرتا ہے۔ لیکن جمہور مُسلمین کا اتّفاق صورت پذیر نہیں ہوتا اور امّت کا انتظام ظہور میں نہیں آتا۔ اِسے خلافتِ غیر منتظمہ کہتے ہیں۔

خلافتِ راشدہ کی دو قسمیں

پس خلافت راشدہ کی دو قسمیں ہوئیں ایک خلافتِ منتظمہ جیسا کہ خلافتِ خلفائے ثلاثہ۔ دُوسری خلافت غیر منتظمہ جیسا کہ خلافتِ علی المرتضیٰؓ۔ پس خلافتِ غیر منتظمہ میں امیر خلافت کا انتشار باوجود خلیفہ راشد ہونے کے ہدایتِ رسول کے اظہار کی قلت کے سبب سے ہوتا ہے جیسا کہ حضرت نُوح علیہ السلام۔ پس جس طرح ظہور ہدایت کی تقلیل حضرت نُوح علیہ السلام کے دامنِ پاک کو غُبار آلُود نہیں کر سکتی اسی طرح انتظام خلافت کا انجام نہ پانا کسی وجہ سے خلیفہؓ راشد (حضرت علیؓ) کے نقص کا باعث نہیں ہو سکتا۔ پس خلافت غیر منتظم کو اگر خلیفہ راشد کی موجودگی میں دیکھ لیں تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ خلافتِ راشدہ ثابت ہے۔ اور اگر عدم انتظام و تفرقہ اہل اسلام کے اعتبار سے دیکھیں تو کہیں گے کہ متحقق نہیں ہے پس جو کہ حدیث شریف :-

الخلافة بعدی ثلثون سنة — میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔

آیا ہے وُہ اوّل الذکر خلافت کے بارے میں ہے۔ اور بعض وُہ احادیث جو ذوالنورینؓ کی خلافت کے اختتام پر دلالت کرتی ہیں وہ مؤخر الذکر کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر ثقفی نے روایت کیا ہے کہ

ان رجلا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رأیت کان میزانا نزل من السماء فوزنت انت ابوبکر فرجحت انت ووزن ابوبکر وعمر فرجح ابوبکر ووزن عمر وعثمان فرجح عمر رفع المیزان فاستاء لها رسول الله صلی الله علیه

آنحضرت صلعم سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ مَیں نے خواب میں آسمان سے ایک ترازو اُتری دیکھی ہے۔ جس میں آپ کو اور ابوبکرؓ کو تولا تو آپ بھاری ہوئے اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کو تولا تو ابوبکرؓ وزنی ہوئے پھر عمرؓ اور عثمانؓ تُلے تو عمرؓ بھاری ہوئے۔ پھر ترازو

وسلم یعنی نساء ذلك فقال خلافة النبوة ثم یؤتی الملك من یشاء	اُٹھائی گئی اِس سے رسولِ خدا کو ناخوشی ہوئی۔ پھر فرمایا۔ یہ خلافتِ نبوت ہے پھر دے گا اللہ تعالیٰ مُلک جسے چاہے گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ :۔

اری اللیلۃ رجل صالح کان ابابکر نیط برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونیط عمر بابی بکر ونیط عثمان بعمر قال جابر فلما قمنا من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	خواب دیکھا ایک بار ایک نیک بخت آدمی نے کہ ابوبکرؓ وارث ہوئے رسول اللہ کے اور عمرؓ ابوبکرؓ کے اور عثمانؓ عمرؓ کے۔ کہا جابرؓ نے جب ہم رسول اللہ کے پاس کھڑے ہوئے تو ہم نے کہا کہ نیک آدمی
قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما نوط بعضہم ببعض فھم ولاۃ الامر الذی بعث اللہ بہ نبیہ صلعم۔	رسول اللہ ہیں۔ اور ایک کا دُوسرے کا والی ہونا، کام کی ولایت (وراثت) جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا۔

(۱) خلافت مُنتظمہ کی قسمیں یا خلافت محفوظہ | خلافتِ مُنتظمہ کا اِنتظام کبھی کمال تک پہنچ جاتا ہے جس کی وجہ خلیفہ راشد کا اپنی خلافت کے زمانے میں مسلّم ہونا اور خاص و عام میں اس کی عزت ہونا ہے۔ کسی کو اس کے تسلّط سے رنج وملال نہیں پہنچتا اور نہ کسی کو اس کی لیاقت میں کلام ہوتا ہے۔ ہم اسے خلافت محفوظ کہیں گے۔

(۲) خلافت مفتونہ | اور کبھی اہل زمانہ خلیفۂ راشد کے تسلّط سے رنج اُٹھاتے اور اس پر طعن وملامت کی زبان دراز کر دیتے ہیں لیکن حفاظتِ ربّانی اور تائیدِ آسمانی کے باعث ان کی ردّ و قدح بغاوت اور خروج تک نہیں پہنچتی۔ اور ان کا ملال قلبی خلع بیعت کی نوبت نہیں لاتا۔ اور خلافت

کا انتظام بظاہر خلیفۂ راشد کے حسب مرضی چلتا ہے اگرچہ اس کے احکام بعض اہل زمانہ کے دلوں پر شاق گزریں۔ اِسے ہم خلافتِ مفتونہ کہتے ہیں۔

پس خلافت مُنتظمہ بھی دو قسم پر مُنقسم ہوئی۔ محفوظہ مثلِ خلافتِ شیخین اور مفتونہ مثلِ خلافتِ ذوالنورینؓ۔

خلافت محفوظہ ایک نعمت عظمیٰ ہے

پس خلافتِ محفوظہ تمام بنی نوع اِنسان بلکہ تمام جہان کے حق میں ایک نعمتِ عظمیٰ اور غنیمتِ کبریٰ ہے۔ پس خلافتِ راشدہ اِس صورت میں وجودِ خلیفۂ راشد کے اعتبار سے بھی، ظاہراً انتظامِ اہلِ اُمّت و ملّت کے اعتبار سے بھی اور تمام اہلِ زمانہ کی رضامندی، یقین اور اطمینان کے باعث بھی ہر طرح محقق ہے۔ لیکن خلافتِ مفتونہ اگرچہ خلیفۂ راشد کے وجود کے اعتبار سے انتظامِ ظاہری کے لحاظ سے موجود ہے لیکن باعتبار عدمِ اطمینان قلبی حکماً مفقود ہے۔ اِسی بنا پر بعض احادیث میں اتمام خلافت کے بارے میں ایک اشارہ حضرت فاروقؓ کی طرف ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

بینا انا نائم رایتنی فی قلیب علیھا دلو فنزعت منھا ما شاء اللہ ثم اخذھا ابن ابی قحافۃ فنزع منھا ذنوبا او ذنوبین وفی نزعہ ضعف واللہ یغفر لہ ضعفہ ثم اخذھا ابن الخطاب من ید ابی بکر فاستحالت فی یدہ غربا فلم ار عبقریا یفری فریہ حتی	سوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک کنوئیں میں ڈول پڑا ہے اِسے میں نے کھینچا۔ جب تک اللہ نے چاہا۔ پھر مجھ سے ابوبکرؓ نے لے لیا۔ پس اُس نے ایک یا دو ڈول کھینچے اور اس کے کھینچنے میں ضُعف تھا اللہ اُس کے حال پر رحم کرے۔ پھر اس سے عمرؓ نے لے لیا اور اس کے ہاتھ

میں بھلا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس سے اچھا کھینچ سکے۔ سیر کر دیا اس نے لوگوں کو اور وہ خوب خوش ہوئے۔	روی النّاس وضربوا بعطن۔"

خلفائے راشدینؓ میں انتظام اور امورِ خلافت کے سرانجام کی وجہ

سے جو فضیلت ہے وہ ایک عارضی امر ہے اصل کمالِ خلافت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ جیسے کہ انبیاء و مرسلین کی فضیلت قلّت و کثرتِ ہدایت کے باوجود علم ہے۔ اور وہ فضیلت بھی عارضی ہے نہ کہ اصل منصب رسالت کی وجہ سے ہے۔ اِس بیان میں چند امور ہیں جو مطلق خلیفہ راشد کے احکام کے متعلق ہیں۔ ہم انہیں چند نکات کے ضمن میں بیان کرتے ہیں۔

خلیفۂ راشد کی تعریف۔ نکتۂ اوّل خلیفۂ راشد وہ شخص ہے جو منصبِ امامت رکھتا ہو اور سیاستِ ایمانی کے معاملات اِس سے ظاہر ہوں۔ جو اِس منصب تک پہنچا وہی خلیفۂ راشد ہے۔ خواہ زمانۂ سابق میں ظاہر ہُوا خواہ موجودہ زمانے میں ہو خواہ اوائل اُمت میں ہو خواہ اس کے آخر میں۔ خواہ فاطمی نسل سے ہو یا ہاشمی سے۔ خواہ نسل قصی سے ہو خواہ نسل قریش سے۔ اِس لفظ خلیفہ کو بمنزلہ لفظ خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ، حبیب اللہ یا صدیق اکبر، فاروق اعظم، ذوالنورین، مرتضیٰ، مجتبیٰ اور سیّد الشہدا۔ یا ان کے مانند شمار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک لقب بزرگان دین میں سے ایک خاص بزرگ کی ذات سے خصوصیّت رکھتا ہے۔ اِس لقب کے اطلاق سے اسی بزرگ کی ذات تصوّر کی جاتی ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی نہ سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ خُلفائے راشدینؓ خلفائے اربعہ کی ذات سے خصوصیّت رکھتا ہے کہ اِس

لفظ کے استعمال سے انھی بزرگوں کی ذات متصور ہوتی ہے۔ حاشا وکلا۔ بلکہ اِس لقب کو بمنزلہ ولی اللہ، مجتہد، عالم، عابد، زاہد، فقیہ، محدّث، متکلم، حافظ، بادشاہ، امیر یا وزیر کے تصور کرنا چاہیے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک خاص منصب پر دلالت نہیں رکھتا۔ جو کوئی بھی اِس صفت سے متصف اور اِس منصب پر قائم ہو وہی اِس لقب سے ملقب ہو سکتا ہے۔

خلافت راشدہ کے اوقات پس جیسا کہ کبھی کبھی دریائے رحمت سے کوئی موج سربلند ہوتی ہے اور آئمہ ہدیٰ میں سے کسی امام کو ظاہر کرتی ہے ایسا ہی اللہ کی نعمت کمال تک پہنچتی ہے تو کسی کو تختِ خلافت پر جلوہ افروز کر دیتی ہے۔ اور وہی امام اِس زمانے کا خلیفہ راشد ہے۔ اور وُہ جو حدیث میں وارد ہے کہ "خلافتِ راشدہ کا زمانہ رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تیس ۳۰ سال تک ہے اس کے بعد سلطنت ہوگی تو اس سے مُراد یہ ہے کہ خلافت راشدہ متصل اور تواتر طریق پر تیس ۳۰ سال تک رہے گی۔ اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قیام قیامت تک خلافتِ راشدہ کا زمانہ وہی تیس ۳۰ سال ہے اور بس۔ بلکہ حدیث مذکورہ کا مفہوم یہی ہے کہ خلافت راشدہ تیس ۳۰ سال گزرنے کے بعد منقطع ہو گی نہ یہ کہ اس کے بعد پھر خلافت راشدہ کبھی آ ہی نہیں سکتی۔ بلکہ ایک دُوسری حدیث خلافتِ راشدہ کے انقطاع کے بعد پھر عود کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

تکون النبوۃ فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ فیکم ما شاء اللہ ان تکون ثم یرفعہا اللہ	نبوت تم میں رہے گی اللہ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اُٹھا لے گا اور بعدہٗ نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی جو اللہ کے منشا تک رہے گی پھر اسے بھی اللہ اُٹھا لے گا۔

ثم تکون ملکاً عاضاً فیکون ماشاء الله ان یکون ثم یرفعها الله ثم یکون ملکاً جبریاً فیکون ماشاء الله ان یکون ثم یرفعها الله تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علیٰ منهاج النبوۃ ثم سکت۔	پھر بادشاہی ہوگی اور اسے بھی اللہ جب تک چاہے گا رکھے گا پھر اسے بھی اُٹھا لے گا۔ پھر سلطنت جابرانہ ہوگی جو منشاء باری تعالیٰ تک رہے گی۔ پھر اسے بھی اُٹھا لے گا اور اس کے بعد پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہوگی۔ پھر آپ چپ ہو گئے۔

خلافت حضرت مہدیؑ

اور یہ بھی امر ظاہر ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی خلافت، خلافت راشدہ سے افضل انواع میں سے ہوگی یعنی وہ خلافت "منتظمہ محفوظہ" ہوگی۔ کیونکہ ان کی تعریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لولم یبق من الدنیا الا یوم لطول الله ذٰلك الیوم حتّٰی یبعث الله فیه رجلا من اهل بیتی یواطیٔ اسمهٗ اسمی واسم ابیه اسم ابی یملاء الارض قسطاً وعدلا کما ملئت ظلماً وجوراً	اگر دُنیا میں کچھ باقی نہ رہے مگر ایک دن کہ لمبا کر دے اسے اللہ تعالیٰ یہاں تک کہ اُٹھا دے اللہ تعالیٰ ایک آدمی میرے اہل بیت سے میرے ہمنام اور اس کے باپ کا نام بھی میرے باپ کے ہمنام ہوگا بھر جائے گی زمین خوبی اور انصاف سے جیسا کہ بھری ہو ظلم اور جور سے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اتاہ ابدال الشام وعصائب اهل العراق نبیایعونهٗ۔	شام کے ابدال اور عراق کے بزرگ اس کے پاس آکر بیعت کریں گے۔

نیز فرمایا:۔

ویعمل فی الناس بسنۃ نبیھم ویلقی الاسلام بجیرانہ فی الارض	لوگوں کے درمیان ان کے پیغمبر کے طریق پر حکم کریں گے اور زمین میں اسلام پھیلائیں گے۔

اور فرمایا:۔

یرضی عنہ ساکن السماء وساکن الارض لاندع السماء من قطرھا شیئًا الاصبتہ مدرارًا ولاندع الارض من نباتھا شیئًا الا اخرجتہ حتی یتمنی الاحیاء الاموات	ان سے آسمان اور زمین والے راضی ہونگے، آسمان بہت مینہ برسائے گا اور زمین بہت نباتات اُگائے گی حتی کہ زندے موت کی آرزو کریں گے۔

نیز وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

المھدی علیہ السلام یشبھنی فی الخلق	مہدی علیہ السلام خُلق میں میرے مشابہ ہوں گے۔

خلیفۂ راشد کا تعیّن یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ خلافت کا زمانہ اوائلِ اُمت یعنی زمانۂ خلفائے اربعہؓ کا تھا یا اواخر اُمت میں مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہوگا اور ان کے درمیان کا زمانہ معطّل ہے کہ ہرگز اس میں خلافتِ راشدہ ظاہر نہیں ہونے کی۔ کیونکہ اکثر تابعین نے خلافتِ عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی خلافتِ راشدہ میں سے شمار کیا ہے اور حدیثِ اوّل میں جو خلافتِ راشدہ کے عود کرنے کے متعلق مذکور ہوا اسے خلافتِ عمر بن عبدالعزیزؒ پر عائد کیا ہے۔ چنانچہ حضرت حبیبؒ نے جو تابعین کے زُمرے میں سے ہیں یہی حدیث حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی طرف منسوب کی ہے اور اس کے اخیر میں یہ بشارت لکھی ہے کہ:۔

ارجوان نکون امیر المومنین بعد الملك العاض والجبریة فسربه و اعجبة	میں اُمید کرتا ہوں کہ تم عاض کی بادشاہی اور جبریہ سلطنت کے بعد امیر المومنین ہو پس خوش ہوئے اور اچھا معلوم ہوا۔

پس عمر بن عبد العزیزؒ نے بھی اِس بشارت کو قبول فرمایا اور اِس وجہ سے رد نہ کیا کہ یہ حدیث تو خلافتِ مہدی کی طرف مبتشر ہے تو کیوں دوسروں کی خلافت پر محمول کرتا ہے اور یہ بھی وارد ہُوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

اذا رایتم الرّایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا ولوحبوا علی الثلج فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔	جب تم خراسان کی طرف سے سیاہ جھنڈے آتے دیکھو تو اُن کے پاس گھٹنوں کے بل برف پر چلتے ہوئے آنا چاہیے کیونکہ مہدی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ان کے درمیان ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ اِس حدیث میں جس مہدی کا ذکر ہے وہ مہدی موعود سے علاوہ ہے۔ کیونکہ مہدی موعود کا ظہور مدینہ منوّرہ میں ہوگا نہ کہ خراسان سے۔ اور یہ بھی خلیفۃ اللہ ہے کہ جملہ اہلِ اسلام کو اس کی اعانت اور رفاقت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

یخرج رجل من وراء النھر یقال	ایک آدمی ماوراء النہر کی طرف سے پیدا ہو
لہ الحارث حرّاث علی مقدمتہ رجل یقال لہ منصور یمکن لآل محمد کما مکنت قریش لرسول اللہ وجب علی	گا اسے حارث حرّاث کہا جائے گا۔ اِس کے آگے ایک اور آدمی ہوگا جسے منصور کہیں گے۔ آلِ محمدؐ کو عزت دے گا جیسا

کل مومن نصرۂ	کہ قریش نے اللہ کے رسول کو عزّت دی۔ ہر مومن پر اُن کی مدد واجب ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ بزرگ جس کا حارث مؤیّد ہے اہلِ بیت سے ہوگا اور مہدی موعود کے علاوہ ہے اِس لیے کہ مہدیِ موعود کو اولاً لشکرِ عرب کے اجتماع سے تائید ہوگی نہ کہ لشکرِ ماوراء النہر سے۔

خلافت راشدہ کا حال پس خلافتِ راشدہ کے حال کو مملکتِ ظاہرہ کی طرح تصوّر کرنا چاہیے جو سلطنتِ عادلہ کے ساتھ ساتھ حکومتِ جابرہ بھی رکھے۔ جیسا کہ کبھی سلطنتِ عادلہ ظہور کرتی ہے اور کبھی حکومتِ جابرہ اِسی طرح کبھی خلافتِ راشدہ جلوہ گر ہوتی ہے اور کبھی مملکتِ ظاہرہ۔ قیامِ خلافت کے تغیّر کو لیل و نہار کے تغیّر کے مانند سمجھنا چاہیے۔ کہ رات کے بعد دن ہوتا ہے اور وُہ پھر ظُلمتِ شب میں گُم ہو جاتا ہے اور پھر اس کا نور جوش مارتا ہے۔ نزولِ نعمتِ الٰہی یعنی ظہورِ خلافتِ راشدہ سے کسی زمانے میں مایُوس نہ ہونا چاہیے۔ اور اسے مجیب الدعوات سے طلب کرتے رہنا چاہیے اور اپنی دُعا کی قبولیت کی اُمید رکھنا اور خلیفۂ راشد کی جستجو میں ہر وقت ہمّت صرف کرنا چاہیے۔ شاید کہ یہ نعمتِ کاملہ اِسی زمانے میں ظہور فرماوے اور خلافتِ راشدہ اِسی وقت جلوہ گر ہو جائے۔

خلیفہ راشد کا مرتبہ نُکتۂ دوم خلیفہ راشد سایۂ ربّ العالمین، ہمسایۂ انبیاءِ مرسلین، سرمایۂ ترقّیِ دین اور ہم پایۂ ملائکہ مقرّبین ہے۔ دائرۂ امکان کا مرکز، تمام وجوہ سے باعثِ فخر اور اربابِ عرفان کا افسر ہے افرادِ انسی کا سردار ہے۔ اس کا دل تجلّیٔ رحمان کا عرش اور اس کا سینہ رحمتِ

وافرہ اور اقبال جلالتِ یزداں کا پرتو ہے۔ اس کی مقبولیت جمالِ ربّانی کا عکس ہے اس کا قہر تیغِ قضا۔ اور مہر عطیات کا منبع ہے اس سے اعراض اعراضِ تقدیر اور اس کی مخالفت، مخالفتِ ربِ قدیر ہے۔ جو کمال اس کی خدمتگذاری میں صرف نہ ہو، خیال ہے پُرخلل اور جو علم اس کی تعظیم و تکریم میں مستعمل نہ ہو سراسر وہم باطل و محال ہے۔ جو صاحبِ کمال اس کے ساتھ اپنے کمال کا موازنہ کرے وہ مشارکتِ حق تعال پر مبنی ہے۔ اہلِ کمال کی علامت یہی ہے کہ اس کی خدمت میں مشغول اور اس کی اطاعت میں مبذول رہیں۔ اس کی ہمسری کے دعوے سے دستبردار رہیں اور اسے وارثِ رسولؐ شمار کریں۔

نکتہ سوم خلیفۂ راشد نبی حکمی ہے۔ گو وہ فی الحقیقت پایۂ رسالت کو نہیں پہنچا لیکن منصبِ خلافت احکامِ انبیاء اللہ کے ساتھ منسوب ہُوا۔

اگرچہ مذکورہ بالا احکام آئندہ صفحات میں انشاء اللہ بالوضاحت ذکر کیے جائیں گے لیکن دو تین احکام یہاں بھی نمونۃً ذکر کر دیے جاتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک تو نجاتِ اُخروی ہے جس کا مدار ان کی طاقت پر ہے۔ چنانچہ اگرچہ کوئی شخص معرفتِ الٰہی اور تہذیبِ نفس میں ہزار جدوجہد اور سعی بلیغ کرے لیکن اگر ایمان بالانبیاء نہ رکھتا ہو تو ہرگز نجات اُخروی نہ پا سکے گا۔ اور غضبِ جبّار و طبقاتِ نار سے ہرگز خلاصی نہ پائے گا۔ اسی طرح اگرچند عبادات اور طاعات دینیہ بجالائے اور احکامِ اسلام میں پوری کوشش کرتا رہے لیکن جب تک امامِ وقت کی اطاعت کے آگے سرِ تسلیم خم نہ کرے اور اس کی اطاعت کا اقرار نہ کرے، عبادت مذکورہ آخرت میں اس کے کام نہ آئے گی اور ربِّ قدیر کی دارو گیر سے خلاصی نہ ہو سکے گی۔

من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ الجاھلیۃ	جس نے امامِ وقت کو نہ پہچانا وُہ جاہلیت کی مَوت مرا۔

رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :۔

صلّوا خمسکم وصوموا شھرکم وادّوا زکوٰۃ اموالکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا جنّۃ ربّکم	پنج وقتی نماز ادا کرو، ایک ماہ کے روزے رکھو اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو اولی الامر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنّت میں داخل ہو جاؤ۔

اور فرمایا :۔

من مات ولیس فی عنقہٖ بیعۃٌ مات میتۃ الجاھلیۃ	جو کوئی مرا اور اس کی گردن میں بیعت (کا طوق) نہیں تو وُہ جاہلیت کی مَوت مرے گا۔

عباداتِ شرعیہ اِن اُمور میں سے ایک عباداتِ شرعیہ ہیں جو اس کے حکم کے مطابق ہوں۔ یعنی اگر عباداتِ دینیہ وطاعاتِ شرعیہ اگر سُنت کے مطابق ہوں تو مقبول ورنہ مردُود ہیں۔ چُنانچہ صحتِ نماز جُمعہ و عیدین اور جہاد وحدود وتعزیرات تمام امرِ امام پر موقوف ہیں۔ چُنانچہ ارشاد نبوی ہے :۔

انما الامام جُنّۃٌ یقاتل من وراۂٖ ویتّقی۔	امام ڈھال ہے اس کے پیچھے لڑو اور اس کے ساتھ بچو۔

اَور فرمایا :۔

الغزو غزوان فاما من ابتغی وجہ اللّٰہ و اطاع الامام وانفق الکریمۃ ویاسرالشریک	لڑائی دو قسم کی ہوتی ہے۔ جس نے اللہ کی خوشنودی تلاش کی اور امامِ وقت کی اطاعت

واجتنب الفساد فانّ نومہٗ ونبہٗ اجرٌ کلّہٗ وامّا من غزا فخراً وریاءً اوسمعۃً وعصی الامام وافسد فی الارض فانّہٗ لم یرجع بالکفاف۔

کی اور اچھا مال خرچ کیا اور شراکت میں شریک کو آسانی دی جھگڑا نہ کیا۔ پس اس کا سونا اور رجاگنا سب موجب اجر ہے لیکن اگر کوئی فخر اور ریا سے لڑا اور امام کے خلاف کیا اور فساد کیا تو وہ ماجور نہیں لوٹتا۔

معاملات اقراری اِن امور میں سے ایک معاملاتِ بنی آدم اور وعدہ واقرار ہیں جن میں امام کے حُکم کا اجرا ہوتا ہے پس جیسا کہ اپنے وقت میں نبیؐ نے معاملات کے انعقاد میں دو شخصوں کے درمیان حُکم فرمایا جیسے نکاح یا بیع و شری یا ان کے مانند کوئی اور معاملہ۔ پس وہ معاملہ حکم کے ساتھ خود بخود ہی مُنعقد ہو جاتا ہے پھر اس میں چُون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَـهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ (احزاب)

کسی مومن مرد اور عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو پھر اپنی دخل وہی کر دے۔

ایسے ہی مذکورہ معاملات کا انعقاد امام یا اس کے نائب کے حُکم سے خود بخود ہو جاتا ہے۔ اور کسی کو انکار کی مجال نہیں رہتی۔ مثلاً مسئلہ قضا یعنی قاضی کا فیصلہ ظاہر باطن میں جاری ہونا۔ جیسا کہ شروح ومتون میں صاف صاف مرقوم ہے۔

حُکمِ امام حکم شرعی ہے منجملہ ان کے امام کے حکم سے شرعی حُکم کا ثبوت ہے چنانچہ اگر کسی فعل یا قول میں عقل و ادراک سے ہزاروں نفع یا ضرر نظر آئیں یا کئی وجہ سے اُس میں حسن و قبح پایا جائے تاہم جب تک منزل

کتاب و حکمِ نبی مُرسل سے اس کا جواز یا نہی ثابت نہ ہو اس کا وجوب یا حُرمت شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔ ایسا ہی اگر کسی قول یا فعل میں ابوابِ سیاست میں منفعت معلوم ہو لیکن جب تک امام یا اس کے نائب کا حکم اِس سے ملحق نہ ہو اسے شرعی واجبات سے شمار نہیں کیا جا سکتا ایسا ہی اگر صحت یا بطلانِ دعویٰ پر یا اُس کے حدود و تعزیر پر ہزاروں دلائل موجود ہوں اور سیکڑوں گواہ گواہی دیں لیکن جب تک امام یا اس کے نائب کا حُکم اس پر عائد نہ ہو گا ہرگز پایۂ ثبوت تک نہ پہنچے گا۔ پس جیسا کہ احکام شرعیہ کا ثبوت نصِ نبوی ہے اور حسن و قبح کے وجوہ کا عقلی بیان محض مخاطبین کی تسلئ خاطر اور مخالفین کے لیے الزام ہے اور بس۔ ایسے ہی احکام عقود و معاملات، حدود و تعزیرات کا ثبوت امام یا اس کے نائب کے حُکم سے ہے اور گواہوں کی شہادت کا اظہار اور نفع و ضرر کا بیان محض تسلی خاطرِ حاکم ہے اور اس شخص کے الزام کی بنا پر ہے جو اس حاکم کو جور و ستم کی طرف منسوب کرے۔

حُکمِ امام نصِ حکمی ہے ایک اِن میں سے یہ امر ہے کہ امام کا حکم نصِ حکمی ہے۔ یعنی جس وقت مجتہدین کا اجتہاد اور قیاس آراؤں کا قیاس نصِ قطعی کے مقابل ہوتا ہے تو بے شک پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی مذکورہ امور پر مخالفتِ نص کی صورت میں ہرگز قابلِ عمل نہیں رہتا۔ ایسے ہی جب مذکورہ امور امام یا اُس کے نائب کے حُکم کے متعارض ہوں تو پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جس مواضع اختلاف اور مسائل اجتہاد میں امام کا حکم دو جانب میں سے ایک جانب متوجہ ہو تو ہر مجتہد، مقلد، عالم، عامی، عارف اور غیر عارف پر واجب العمل ہو گا۔ کسی کو اس کے ساتھ

اپنے اجتہاد یا مجتہدین سابقین کے اجتہاد یا اپنے الہام یا شیوخ متقدمین کے الہام سے تعرض نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی حکم امام کی مخالفت کرے اور مذکورۃ الصدر امور کے خلاف عمل کرے تو بے شک عند اللہ عاصی اور گنہگار ہے اور عذر اس کا حضور رب العالمین و حضور انبیائے مرسلین و مجتہدین میں قابلِ قبول نہ ہوگا۔ اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ اہل اسلام سے کسی کو اس کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔

امام کے قوانین سُنّتِ نبی کی حیثیت رکھتے ہیں ایک امر یہ ہے کہ قوانینِ ریاست اور آئینِ سیاست جو خلیفہ راشد سے ظاہر ہوتے ہیں۔ سُنّتِ نبویہ کا حکم رکھتے ہیں۔ پس خلفائے عظام کا طریقہ بمنزلہ سننِ انبیاء کرام کے ہے اور مناظرات میں استدلال اور معاملات و معادات میں ان سے دلیل لانا کافی و شافی ہے۔ پس اس کے آئینِ استنباط قبیلِ سُنّت سے ہیں نہ کہ جنسِ بدعت سے۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

انہ من یعش منکم بعدی فیسری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ خلفاء الراشدین المھدیین تمسکو بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ	تم میں سے جو میرے بعد جیئے گا بہت اختلاف دیکھے گا۔ پس چاہیے کہ میرا اور خلفائے راشدین المہدیین کا طریقہ مضبوط پکڑے اور نئی باتوں سے بچتا رہے کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

احکام امام سُنّت سے ہیں ایک امر یہ کہ امام مہتمم کے احکام سُنّت ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حکیم علی الاطلاق نے احکام شرعیہ کے اصول کو اپنی منزل کتاب میں بیان فرمایا اور ان کے فروع و شروط کو نبی مرسل کی زبان

پر تفویض فرمایا۔ مثلاً اپنے بندوں کو اپنی کتاب میں نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا اور تعیینِ اوقات اور تعدادِ رکعات اور تمام ارکان و شرائط کو اور مالِ زکواۃ کے تعیّن و نصاب اور اس کی مقدار وغیرہ کو اپنے رسولِ مقبول ؐ کے حوالے کیا۔ پس دین کے احکام کے اصول منزّل کتاب سے بدلیل ثابت ہیں اور ان کے فروع کا مفہوم مسلسل حدیث سے ہوتا ہے پس کتاب اللہ و سُنّت ہر دو کے مجموعے کا نام دین و شریعت ہے۔ ایسے ہی بہت سے احکام ہیں جو اختلافِ زمانہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً بعض اوقات لشکر کشی کرنا حکمِ الٰہی سے ہوتا ہے مگر بعض اوقات بغیر اس کی مرضی کے بھی ہوتا ہے۔ اور لشکر کا کسی شہر وغیرہ میں مقام کرنا کبھی نافعِ دین ہوتا ہے اور کبھی مضرِ دین۔ پس ایسے احکام میں کوئی خاص حکم مُطلقاً تعیّن نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ مُطلق لشکر کشی واجب ہے یا ممنوع اور مُطلق کوچ و مقام حلال ہے یا حرام۔ اسی بناء پر ان احکام کا تعیّن امام کے سپرد کیا گیا ہے۔ اور ان احکام کو بھی احکامِ شرع سمجھنا چاہیے نہ کہ رسومِ عرفی سے۔ پس "شرع" مجموعہ کتاب اللہ و سُنّتِ رسول اللہ اور احکام خلیفۃ اللہ سے مُستفاد امور سے مُراد ہے۔ جیسا کہ کتاب و سنت اصولِ دینِ متین سے ہے، ایسا ہی حُکمِ امام بھی ادلۂ شرعِ مبین سے ہے۔ اور جس طرح سُنت کو کتاب اللہ سے دُوسرا درجہ حاصل ہے ایسا ہی حُکمِ امام، سُنتِ رسول سے دوسرے درجہ پر ہے پس اصل کتاب اللہ ہے اور اسے واضح کرنے والی سُنتِ نبویؐ اور اس کا مبیّن امام ہے۔ کتاب اللہ پر ایمان سب سے اوّل ہے اور ایمان بالرسول بعدہٗ اور خلیفۃ اللہ پر یقین تیسرے درجے پر ہے۔ چُنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ج (النساء)

اے ایمان والو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے تمہارے حاکم اور خلیفہ ہیں ان کی بھی تابعداری کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ میرا اور میرے خلفائے راشدین کا طریقہ لازم پکڑو۔

غیر منصوصہ احکام میں اطاعتِ امام اسی بنا پر علمائے اُمت نے اطاعتِ امام کو غیر منصوصہ مقام میں صحتِ قیاس پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کی اطاعت کو باوجود اس کے ضعیف قیاس کے بھی واجب جانا ہے۔ اور اس کے مخالف کو اگرچہ اس کا قیاس امام کے قیاس سے اظہر اور قوی ہو، جائز نہیں رکھا۔ اور اس میں راز یہی ہے کہ اس کا حکم بذاتہٖ اصولِ دین سے ایک اصل ہے اور ادلّہ شرعیہ سے ایک دلیل ہے جو صحیح قیاس سے قوی ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت کسی اور کے قیاس سے مستنبط ہو۔ لیکن دوسرے کا قیاس اگرچہ صحیح ہو، ظنّی ہے اور یہ حکم اگرچہ بنفس الامر قیاس سے مستند ہو لیکن قطعی ہے۔ مثال اس کی یہ ہے کہ اجماع صحّت قطعیہ ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مستند اجماع نفس الامر میں ایک قیاس ہوتا ہے یا خبر غیر مشہور اور وہ بھی ظنّی ہے۔

حکمِ امام نصِ حکمی ہے ایک امر یہ ہے کہ حکمِ امام بھی نصِ حکمی ہے۔ جو نصِ حقیقی سے دُوسرے مرتبے پر ہے اور دیگر ادلّۂ شرعیہ سے قوی ہے۔ چُنانچہ بہت چیزیں ہیں جن کے بیان سے کتاب اللہ ساکت ہے اور سُنّتِ نبویہ ان کو واجب اور حرام بتاتی ہے۔ ایسے ہی بہت سی باتیں ہیں کہ دلائل کتاب وسُنّت کے ملاحظے سے دونوں طرف دلائل موجود ہیں۔ پھر امام کا

حکم انہیں واجب یا حرام ٹھیراتا ہے۔

تعیین احکام کا اجرا ایک اِن میں سے تعیین احکام کا اجرا بذمۂ امام ہے۔ مثلاً اگر کسی وقت کوئی مقدمہ سیاست سے پیش آئے یا مہماتِ دین سے کوئی مہم ظاہر ہو تو اگر اُمّت میں پیغمبر موجود ہو تو ان کو لائق نہیں کہ اِس پر سبقت کریں یا قیل وقال شروع کر دیں یا آپس میں مشورہ کر کے کسی حکم کی تعیین کر لیں اور اپنی عقل و تدبیر اور رائے و قیاس کو دوڑائیں۔ بلکہ چاہیے یہ کہ آپ اِس مقدمے میں سکوت اختیار کریں اور اس مقدمے کو پیغمبر کے حضور میں پہنچائیں اور منتظر رہیں کہ اِس مقدمے میں پیغمبر کیا حکم صادر فرماتا ہے اور کس طریق سے بیان فرماتا ہے۔ الغرض حکومت پیغمبر کا منصب ہے اور اطاعت اُمّت کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے :-

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۭ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (حجرات)	اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اللہ سے ڈرو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

اِسی طرح لازم ہے کہ احکام کا اجرا اور مہمات کا انجام امام کے سپرد کیا جائے اور اس سے قیل وقال اور بحث وجدال نہ کی جائے۔ اور کسی مہم میں خود بخود اقدام نہ کیا جائے۔ اِس کے حضور میں زبان بند رکھیں اور اپنی رائے سے سرانجام مقدمات میں دخل نہ دیں اور کسی طرح بھی اُس کے سامنے استقلال کا دم نہ ماریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِہٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْہُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْھُمْ	اور جب ان کے پاس کوئی بات امن یا خوف کی آتی ہے تو اُسے مشہور کرتے ہیں۔ اگر اسے رسول یا اولی الامر کی طرف پھیر

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء)	دیتے تو البتہ سمجھا جاتا کہ ان سے تحقیق کرتے ہیں اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کی پیروی کرتے اور تھوڑے ہی بچ جاتے

الغرض خلافت کے کاروبار کو سیاستِ سلاطین کی طرح قیاس کرنا چاہیے نہ کہ ریاستِ دہقاناں کی طرح۔

خلیفۂ راشد کا مقام نکتہ چہارم خلیفۂ راشد رسولؐ کے فرزند ولیعہد کے قائم مقام ہے اور ائمہ دین بمنزلہ دوسرے بیٹوں کے ہیں۔ پس جیسا کہ تمام فرزندوں کی سعادتمندی کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح وہ مراتب پاسداری وخدمت گذاری اپنے باپ کے حق میں ادا کرتے رہے وہ بتمامہ اپنے باپ کے جانشین بھائی کی بھی بجالائیں۔ اور اسے اپنے باپ کی جگہ جانیں اور اس کے ساتھ مشارکت کا دم نہ بھریں[1]۔ بلکہ وزارت کے منصب پر مصلحت کا خیال رکھیں۔ ایسے ہی ائمہ ہدیٰ کی امامت کا تقاضا یہی ہے کہ جس طرح پیغمبرؐ کی اطاعت اور اعانت بجالاناہے اسی طریق سے اپنے اختیار کی باگ خلیفۂ راشد کے ہاتھ میں دے دیں اور ہر طریقے سے اس کی تابعداری میں گردنِ تسلیم خم رکھیں۔ خواہ ان میں سے ہر ایک قدر ومنزلت میں مانندِ علم اور مقاماتِ ولایت میں راسخ القدم اور

---

[1] اس عبارت سے تقویۃ الایمان کے اس فقرہ کا جواب بخوبی ملتا ہے جس میں لکھا ہے کہ "جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کرنی چاہیے"۔ اور اس طرح کہ بڑے بھائی کا مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ کہاں تک اس کی تعظیم کرنی چاہیے۔ جس پر بدعتی فرقہ حضرت شہیدؒ کو مطعون گردانتا ہے۔ کہ علامہ شہیدؒ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے بھائی کا رتبہ دیتے ہیں شاہ صاحب تو لکھتے ہیں کہ مقربین بارگاہ صمدی کے ساتھ مشارکت کا دم نہ بھریں (مترجم)

نزولِ الکلام الہام میں اس کے ساتھ مشابہت اور توجیہ خطاب میں شریک منصبِ بعثت اور رسالت میں ایک دوسرے پر فوقیت اور ابواب ہدایت کے فتح اس سے مساوات رکھتا ہو۔ لیکن سیاستِ کبریٰ و خلافتِ عظمیٰ کا مالک وہی خلیفہ راشد ہے جو قائم مقام انبیائے اولوالعزم کے ہے اور مناصبِ ہدایت کے مالک تمام ائمہ دین ہیں جو انبیاء مرسلین کا ظل ہیں جس مقام سے ان کو منصبِ امامت عطا ہوا اسی مقام سے ان کو اطاعت و اعانت کا حکم پہنچا۔ پس جس طرح انبیائے مرسلین میں سے ہر ایک منصب امامت میں سے اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مشارکت اور نزولِ وحی میں مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن جیسا کہ بارگاہِ کریم مطلق سے انبیاء مبعوث ہیں اسی بارگاہ سے انبیائے اولوالعزم کے اتباع کے لیے مامور ہیں۔ اسی طرح تمام ائمہ ہدیٰ گویا بارگاہِ مالک علی الاطلاق و مالکِ بالاستحقاق سے منصب امامت کو پہنچے۔ اسی بارگاہ سے خلیفہ راشد کی اطاعت و اعانت پر مامور ہوئے۔

الغرض ائمہ ہدیٰ کے معاملے کا خلیفہ راشد کے ساتھ اس طرح خیال کرنا چاہیے جیسا کہ فاروق اعظمؓ کا ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ اور علی المرتضیٰؓ کا فاروق اعظمؓ کے ساتھ اور جناب حسنِ مجتبیٰؓ کا حضرت مرتضیٰؓ کے ساتھ۔ جنہوں نے باوجود کمالاتِ روحانی اور فضائل نفسانی سے متصف ہونے کے اپنے اختیار کی باگ خلیفہ راشد کے ہاتھ میں دے دی اور اس کی اطاعت کے لیے گردن جھکا دی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

سیاست میں امامتِ حکمی کا دخل کمالات مذکورۃ الصدر کے تحقیقی علامات و آثار ظاہری میں اگر کوئی شخص انبیاء اللہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ مگر ان میں کچھ کمی اور نقص پایا جاتا ہے تو اس صورت میں بھی امامت کے علامات و آثار تو موجود ہیں لیکن حقیقت مفقود۔ امامتِ حقیقیہ کی اقسام کا ذکر قسمِ اوّل میں مذکور ہو چکا اب امامتِ حکمیہ کی اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پس جس طرح امامتِ حقیقیہ کی بے شمار قسمیں ہیں اسی طرح امامتِ حُکمیہ کے اقسام بھی لاتعداد ہیں۔ یہاں ان تمام قسموں کی تفصیل مقصود نہیں ہے بلکہ امامتِ حُکمیہ کا جو دخل سیاست کے اندر ہوگا وہ بیان کرنا مقصود ہے اور بس۔

امامتِ حکمیہ کا حدوث باب سیاست میں امامتِ حقیقیہ کا فقدان اور امامتِ حکمیہ کا حدوث بہ سبب اختلاط سیاست سُلطانی یا سیاستِ ایمانی کے ہے۔ پس جس قدر سیاستِ سُلطانی، سیاستِ ایمانی میں مخلوط ہوگی۔ اسی قدر امامتِ حقیقیہ مغلوب نظر آئے گی اور امامتِ حکمیہ غالب اور خلافتِ راشدہ گم اور سلطنتِ ظاہرہ ترقی پر ہوگی۔ پس سیاستِ ایمانی اور سیاستِ

سُلطانی کو یُوں سمجھنا چاہیے جیسے میٹھا اور کھاری پانی۔ میٹھے پانی میں جس قدر کھاری پانی ملے گا اُتنا ہی میٹھے پانی کی لذّت مفقود ہو گی اور کھاری کی نمایاں۔ پس جس طرح شور پانی کا میٹھے پانی سے ملنے میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی سیاستِ سُلطانی کے مراتب کا سیاستِ ایمانی سے اختلاط متفاوت ہے۔ چُنانچہ اسی کے مانند خلافتِ راشدہ میں تغیّر پیدا ہو گا۔

تمثیلات اسی کی تفصیل یُوں ہے کہ کھاری پانی کا شیریں پانی سے ملنا چار درجہ پر تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ اوّل یہ کہ اگر صاف ستھرے پانی کے ساتھ کھاری پانی اتنے اندازے سے مل جائے کہ میٹھے پانی کے ذائقے میں اس کی تلخی و تُرشی ظاہر نہ ہو لیکن اس کی لطافت اور نفاست معدوم ہو جائے، تو لطیف طبع اور نازک مزاج اِس پانی کو پسند نہ کریں گے اور جو لوگ میٹھے خالص پانی کے عادی ہیں نہ اُنھی کی طبیعت گوارا کرے گی۔ مگر پیاسے کو وہ پانی مطمئن اور نباتات کو شاداب کر سکے گا اِسی طرح کھانا پکانے اور کپڑے وغیرہ دھونے میں مفید ہو سکے گا مذکورہ پانی اگرچہ حقیقتاً پانی کی خالص جنس سے نہیں لیکن آثار میں اس کے ہمرنگ ہے اور منافع میں یکساں۔

دوئم یہ کہ کھاری پانی اتنا مل جائے کہ اس کی تلخی، تُرشی میٹھے پانی کے ذائقے میں اتنی نمایاں ہو کہ ہر کس و ناکس کو اِس کا پینا ناگوار اور اس کے ذائقے میں اس کی کھٹائی کا اثر ظاہر ہو۔ لیکن پیاس کی شدّت اِس سے دُور اور دل کے اضطراب کو اس سے تسکین ہو سکتی ہے اور نفع رسانی میں کم کھانا پکانے میں بھی اس کی تلخی پائی جائے نیز کپڑوں کی میل کچیل بھی اِس سے قطعی زائل نہیں ہو سکتی اور نہ سبزی و نباتات ہی میں پوری رونق آ سکتی ہے۔

تیسرے یہ کہ کھاری پانی میٹھے پانی میں یوں اتنا مل جائے کہ اس کی تلخی ترشی ظاہر ہو کر حلاوت و لذت میں اس قدر تغیر ہو جاتے کہ اسے عرفِ عام میں شور پانی کہا جاتے گو عند الضرورت اپنی حاجات میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر جہاں تک ممکن ہو اس سے گریز اور اس کے استعمال سے پرہیز کیا جاتا ہے اور نہ صاف اور نفیس کپڑوں کو اس سے دھوتے ہیں اور نہ لطیف و نازک پودوں کو اس سے سیراب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ کثیف نباتات مثلاً تمباکو وغیرہ کو اس سے پانی دیتے ہیں اور ضرورتاً کسی وجہ سے استعمال بھی کر لیتے ہیں۔

چہارم یہ کہ کھاری پانی میٹھے پانی میں اتنا مل جائے کہ بالکل تلخ اور کڑوا ہو جائے یہاں تک کہ اس کی شیرینی بالکل زائل اور پانی کے منافع اس سے باطل ہو جائیں اگر بجبر و اکراہ کوئی اسے استعمال بھی کر لے تو اس کی حاجت پوری نہ ہو سکے اور نہ کوئی اس سے فائدہ حاصل ہو۔ مثلاً اگر کوئی اپنی پیاس بجھانے کو پیئے تو پیاس دگنی ہو جائے۔ اگر کسی درخت کو اس پانی سے سینچا جاسے تو وہ درخت جل جائے۔ اگر کوئی کھانا پکایا جائے تو وہ کھانا خراب ہو جائے اور اگر اس کھانے کو کوئی کھا لے تو ضرر پہنچائے۔ پس اس صورت میں وہ پانی آبِ شیریں کی جنس سے بالکل خارج ہو گا۔ جس جگہ ایسا پانی ہو وہاں اگر کوئی پانی کا جویا ہو تو اس سے کہنا پڑے گا کہ یہاں پانی مفقود ہے۔ اگر کوئی مسافر ایسے پانی کو اپنے ساتھ رکھے تو بے شک بے آب میدان میں پیاس کی شدت سے جان دے دیگا۔

امامتِ حکمیہ کی تفصیل اِن مثالوں کے بعد ہم اصل مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور امامتِ حکمیہ کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں

کہ اِس آزار کی اصل اور اِس خار کا تخم عبودیت کے مقام میں سراسر نقصان دہ ہے۔ چنانچہ امام حقیقی کی ذاتِ بابرکات میں نبوّتِ تامّہ کی صفت رکھی گئی ہے جو اپنی ہوائے نفس کو پسِ پُشت ڈالتے ہوئے محض رضائے ربّانی کو اپنا قبلۂ ہمّت بناتا ہے اور اپنے لذائذ کے استفادے سے بالکل پاک اور اپنے مولا کی رضا طلب کرنے میں چُست و چالاک ہوتا ہے، مقتضیاتِ نفس سے دستبردار اور اتباعِ ہوا و ہوس سے بیزار۔ ظاہر و باطن میں استقامت کے رنگ سے رنگین اور وزنِ مناسب میں سنگین ہوتا ہے ہر طرف سے اپنی آنکھیں بند کیے اور پاؤں کو باندھے ہوئے اپنے مولا کے روبرو بیٹھا رہتا ہے اور ماسوی اللہ کے علاقوں کو توڑے ہوئے، محبتِ غیر سے مُنہ موڑے رکھتا ہے کہ :۔

من احب اللہ وابغض اللہ و اعطی اللہ ومنع اللہ فقد استکمل الایمان۔	جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے ہی کچھ دیا اور اسی کے لیے منع کیا پس اس کا ایمان کامل ہُوا۔

اُس کی شان ہے :۔

ومن کان اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھا	جس کو اللہ اور رسولؐ سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔

اس کے حال کی حقیقت ہے۔ بناءً علیہ جس وقت ایسا شخص منصبِ خلافت کو پہنچتا ہے تو ابوابِ سیاست میں محض خدا کے بندوں کی اصلاح اور نیابتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے۔ اپنے نفع کے حصول کی آرزو اس کے دل میں نہیں گزرتی اور نہ کسی کے ضرر کا غُبار اس کے دامن تک پہنچتا ہے اور اطاعتِ ربّانی میں نفسانی خواہشوں کی مشارکت کو شرک جانتا ہے اور کسی بھی مقصد کا حصول سوائے رضائے حق کے

اپنے دِل کی خالص منزل کے لیے ایک امرِ صحیح خیال کرتا ہے۔ اُسے بندگانِ خُدا
کی تربیت کے سوا نہ کچھ ظاہر میں مطلوب ہے اور نہ باطن میں مرغوب ہے۔
اِسی لیے جو بات قوانینِ سیاستِ ایمانی سے انحراف کا باعث اور آئینِ سیاست
سُلطانی کی طرف میلان کا سبب ہوگی اِس سے ہرگز وقوع پذیر نہ ہوگی بلکہ
اِس امرِ قبیح کی آرزو کا اس کے دل میں گزرنے کا خطرہ بھی نہ ہوگا اور نہ امورِ
نفسانی میں سے کوئی امر اسے راہِ حقّانی سے کسی غیر جانب کو لے جا سکے گا۔

امامِ حکمی کی تعریف لیکن امامِ حکمی کئی ایک مقتضیاتِ نفسانیہ
سے مبّرا نہیں رہ سکتا اور نہ علائق ماسوی اللہ ہی سے بَری ہو سکتا ہے۔ بنابریں
مال ومنال، جاہ وجلال کے حصول، اخوان واقران پر فوقیت اور امصار و
بلدان پر تسلّط کی آرزو، دوستوں اور قرابت داروں کی پاسداری، مخالفین
واعداء کی بدخواہی اور لذّاتِ جسمانیہ اور مرغوباتِ نفسانیہ کے حصول کا
خیال اِس کے دِل میں رہتا ہے۔ بلکہ امورِ مذکورہ کو ہر ممکن طریقے سے حاصل
کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سیاست کو اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بناتا
ہے جس سے طریقِ حکومت کو حکمتِ عملی کے ذریعے اپنی دِلی آرزو تک پہنچاتا
ہے۔ پس یہی سیاست سُلطانی ہے جو ابوابِ سیاست کو اپنے جلبِ منافع
و دفعِ مضار کے لیے جاری کرتی ہے۔ اور یہی مذکورہ لذّاتِ جسمانیہ کا حصول
جس وقت سیاستِ ایمانی سے مخلوط ہو جاتا ہے تو اس وقت خلافتِ راشدہ
مخفی اور سیاستِ سُلطانی برملا ہو جاتی ہے لذّتِ نفسانیہ مختلف طبائع کے
سبب انسان پر کئی طرح اثر کرتی ہے کسی پر تو اس قدر غالب ہو جاتی ہے کہ
اُسے دِین وایمان کے دائرے سے خارج کر دیتی ہے اور بعض پر اس قدر کہ
فِسق وفجور کی حد تک پہنچا دیتی ہے اور بعض کو یہاں تک نفع نقصان دیتی ہے

کہ حریص اور نکھٹو بنا کر رکھ دیتی ہے۔

امامِ حکمی کی اقسام نفسانی خواہشوں کا اختلاط سیاستِ ایمانی کے ساتھ چار مراتب پر تقسیم کیا جاتا ہے:۔

اولاً۔ ظاہری طور پر شریعت کی پاسداری کے باوجود طالبِ لذّاتِ نفسانی ہوتا ہے۔ یعنی ظاہرِ شریعت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور نہ فسق و فجور اور جور و تعدّی ہی اختیار کرتا ہے۔ لیکن اپنی ذات کو ہمیشہ خوش و خرّم رکھنے میں اِس قدر کوشاں رہتا ہے کہ ظاہراً شریعت اُس کے افعال کو مباحات میں سے شمار کرے، ہم اسے سلطنتِ عادلہ کہیں گے۔

سلطنت جابرہ کی تعریف دوم۔ لذّاتِ نفسانیہ کی طلب اور راحتِ جسمانی کی خواہش اِس قدر غلبہ کر جائے کہ ان کے حصول میں شرعی دائرے سے باہر ہو جائے اور اپنے حصولِ مطلب کے لیے ظُلم اور فسق و فجور اختیار کرے، پھر اس پر پشیمان بھی نہ ہو اور نہ اس سے توبہ ہی کرے تو اسے سلطنت جابرہ کہا جائے گا۔

سلطنت ضالّہ سوم۔ نفسانی خواہشیں اِتنی غالب ہو جائیں کہ زمانہ بھر کی عیّاشی اُس کی طبیعتِ ثانیہ بن جائے۔ جبر و تکبّر کی داد دے ظُلم و تعدّی کی بُنیاد ڈالے اور عیش کے فکر میں ہمّت صرف کرے اور مراتبِ تفرّج کو کمال تک پہنچائے، فسق و فجور۔ تعدّی و جور کے طریقوں کو ملّت و سُنّت کے شواہد کے مقابلہ میں بتائے اور اسے اپنے ہُنر و کمال سے سمجھے ایسی سلطنت کو سلطنتِ ضالّہ کہیں گے۔

سلطنتِ کُفریّہ چہارم۔ خود ساختہ قوانین کو شرعِ متین پر ترجیح دے اور سُنّت و ملّت کے طریقے کی اہانت کرے۔ احکام شرعیہ پر رد

و قدح کرتے ہوئے مذاق اور استہزاء سے پس پُشت ڈال دے اور اُس کے مقابلے میں اپنے آئین کے محاسن کے گُن گائے۔ امورِ شریعت کو عام گفتگو کے مانند محض ہرزہ گردی اور بیہودہ سرائی سمجھے اور احکامِ خُداوندِ قُدّوس و سُنّتِ سیّدالانام علیہ الصلواۃ والسلام کو ایک غیر مکمّل قانون قرار دے۔ شرعِ متین کے پیروؤں کو نادان اور مجنون سے زیادہ رُتبہ نہ دے ایسی سلطنت کو سلطنت کُفر و زندقہ کہا جائے گا۔

نوٹ: مذکورہ چار اقسام کو بالترتیب اور بالتفصیل بیان کیا جاتا ہے:

قسمِ اوّل۔ سلطنتِ عادلہ

سُلطانِ عادل اس جگہ سُلطانِ عادل سے مُراد وہ سُلطان ہے جو جاہ و جلال کی زیادتی، عزّت و اقبال کی محبّت، اقران و اخوان کے درمیان امتیاز کا حصول، قریہ و شہر پر تسلّط کے منصب کی آرزو، فرمانروائی اور کشور کُشائی کی خواہش، صغیر و کبیر پر فوقیّت، جنود و عساکر کا اجتماع، ہمیشہ کے واسطے نام و نمود کی خواہش، خزائن و دفائن کی کثرت، دوستوں رشتہ داروں کی پرورش۔ دُشمنوں اور مخالفوں کی ہلاکت، لذّاتِ نفسانی اور راحاتِ جسمانی، بلند عمارات، طبیعت پسند باغات، طعام ہائے لذیذ، لباسِ فاخرہ و نفیس، خوش رفتار گھوڑوں اور اسلحۂ کارزار کے حصول کی ہوس، عیش پسند، معشوقِ نازو انداز سے معاشرت اور محبوبانِ طنّاز کی صحبت، محافلِ طرب و نشاط و مجالسِ سرور و انبساط کے اہتمام، ہمنشینانِ

سُخن سنج کی صحبت اور عُمر کو بغیر تکلیف ورنج کے بسر کرنے وغیرہ امور کا متمنّی ہو۔ مذکورہ حالات کو اپنی سلطنت کے ثمرے سے شُمار کرے اور ان کے حصول میں ہر وقت کوشاں رہے مگر باوجود حصولِ لذّات مذکورہ کے ظاہر شریعت کو نہ چھوڑے اور اس تمام تگ و دو اور ان امور کی جُستجو کے اثناء میں دینِ متین کے احاطہ سے قدم باہر نہ رکھے۔ الغرض نفسانی خواہشوں کا اس قدر تابع ہو جائے کہ شریعت کے احکام کو چھوڑ دے۔

غیر منصوص احکامِ شرع تفصیل یوں ہے کہ اموال و اعمال میں وہ احکامِ شریعت جن کا حُکم شریعت میں واضح نہیں اکثر امام کی رائے پر موقوف ہوتے ہیں۔ بلکہ امام وقت اِن امُور میں جو حُکم فرمائے وہی حُکم شریعت ہے۔ لیکن جو احکام افعال کے متعلّق ہیں یعنی مقدار تعزیر کے تعیین کے مانند کیونکہ جس گُناہ پر حدِ شرع معیّن نہیں ہے اِس کی تعزیر کا طریقہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جرم چند آدمیوں سے صادر ہوتا ہے توامام وقت ایک کو قید و بند کا حُکم دیتا ہے تو دُوسرے کی تذلیل و تشہیر کا۔ اور کسی کو موجُودہ منصب سے معزول کر دیتا ہے، کسی کے حق میں صرف بے اعتنائی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں درست اور ظاہر شریعت میں جائز ہیں۔ اِسس کا حُکم ان مقدمات میں قابلِ قبول ہے اور اس پر اعتراض شریعت کے رو سے جائز نہیں۔

تفویضِ خدمات امورِ سلطنت میں سے ایک تفویضِ خدمات ہے مثلاً عادل بادشاہ ایک شخص کو بلند منصب پر فائز کرتا ہے اور دوسرے کو اس سے نچلے درجے پر رکھتا ہے اور کسی کو اپنے پہلو میں بٹھاتا ہے تو کسی کو افسروں کا افسر بناتا اور کسی کو سپاہیوں میں شامل کرتا ہے۔ ایسے

امور میں شریعت کی جانب سے اِس پر کوئی اعتراض اور ملامت نہیں اگر کوئی شخص ایسے امور کی بنا پر اس پر اعتراض یا طعن کرے تو وہ باغی اور نافرمان متصور ہوگا۔

قتلِ سیاست امور سلطنت میں سے ایک قتلِ سیاست ہے۔ یعنی جُرم کی بعض قسمیں ایسی ہیں کہ اگر وہ جُرم کسی سے صادر ہو تو اگرچہ اِس جُرم کے صدور سے خواہ مجُرم کا قتل شرعاً واجب نہیں لیکن اگر امام کا قیاس اس کے قتل کا حُکم دے تو جائز ہے کہ اسے قتل کرایا جائے۔

صُلح و جنگ ایک امر صُلح و جنگ ہے۔ بہت سے مُرتد کافر اور جابر سرکش ہوتے ہیں کہ امام ان سے نرمی کی چال چلتا ہے اور بہت سے مومن عاصی اور مُسلم باغی ہوتے ہیں کہ امام ان سے جنگ اختیار کرتا ہے۔ کسی کو اس صُلح و جنگ کے بارے میں قیل و قال یا بحث و حُجّت جائز نہیں ہے۔

احکامِ اموال لیکن جو احکام کہ اموال کے متعلّق ہیں وہ تفصیل کے محتاج ہیں۔ یہاں اجمالاً اِس قدر سُن لیجیے کہ مالِ غنیمت کے سوا بیت المال کے خرچ کرنے میں تمام مُسلمانوں کی مساوات کا خیال رکھنا اس کے ذمّے واجب نہیں ہے۔ اگر ایک کو کئی ہزار درم و دینار یک مُشت بخشدے اور دُوسرے کو ایک کوڑی بھی نہ دے تو اس محروم کو امام پر استحقاقِ حق کا دعویٰ نہیں اور نہ کسی اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ جو کوئی ایسے مقدّمات میں امام پر معترض ہو کر اس کی اطاعت سے نافرمان ہو جائے تو وُہ شریعت کی رُو سے ناجائز فعل کا مُرتکب ہوگا۔ الغرض ایسے مقدّمات کی مثالیں اور ان کے اشباہ جو امام

وقت کی رائے پر موقوف ہیں بہت ہیں۔ مگر نمونتہً چند کا ذکر اس مقام پر
کیا گیا ہے۔ اور انشاء اللہ ان معاملات کو دلائل وشواہد کے ساتھ دوسرے اور
تیسرے باب میں مکمل طور پر ذکر کیا جائے گا۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے
کہ مذکورہ امور میں خلیفۂ راشد اور سُلطان عادل دونوں دخیل کار تو ہو سکتے ہیں
فرق صرف یہ ہے کہ خلیفۂ راشد کے تصرفات کی جو بنا ہوگی وہ انسان کی
بھلائی، تمام جہان کی اصلاح کے مدّنظر اور احکام ربّانی والہام رحمانی پر ہوگی۔
تمام معاملات جو خلیفہ سے صادر ہوتے ہیں اور مختلف احکام جو گاہ بگاہ صادر
کرتا رہتا ہے تمامتر اُمّت کے انتظام اور ملّت کے نفع پر مبنی ہوتے ہیں۔
مثلاً کسی کو کسی منصب پر فائز کرتا ہے تو اس کی دوستی اور پاسداریٔ قرابت
کا خیال نہیں کرتا۔ یا کسی کو مجرم ٹھہرائے تو عداوت ومخالفت کا انتقام نہ سمجھنا
چاہیے۔ الغرض امام جس امر کو انتظامِ اُمّت کا باعث اور نفعِ ملّت کا سبب
جانتا ہے، دل وجان سے اس کی بجا آوری میں کوشاں ہوتا ہے۔ جس کسی
کو کسی خدمت کے لائق سمجھتا ہے وہ خدمت اسی کے سپرد کرتا ہے خواہ وہ
پکّا محب ہو یا قدیمی دُشمن۔ بخلاف اس کے سُلطانِ عادل اگرچہ مذکورہ امور
میں تصرّف تو کرتا ہے مگر مختلف احکام میں اپنی نفسانی خواہش کی بھی رعایت
رکھتا ہے۔ مثلاً دو آدمی ایک ہی جُرم کے مُرتکب ہوئے مگر وہ جُرم ایسا نہیں
کہ اس پر کوئی شرعی حد جاری ہو تو بادشاہ عادل اپنی رائے سے ایک کے
حق میں ضرب وحبس کا حکم دیتا ہے اور دُوسرے کے لیے صرف بے اعتنائی پر
اکتفا کرتا ہے۔ پس خلیفۂ راشد تو اِس اختلافِ حکم میں ان کے حال کی اصلاح
کی رعایت مدِّنظر رکھتا ہے اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ پہلا شخص حبس وضرب
کے سوا راہِ راست پر نہیں آسکتا بخلاف دُوسرے شخص کے کہ صرف بے اعتنائی

کے اظہار سے درست ہو سکتا ہے یا یہ خیال ہو کہ اگر اس کی زیادہ توہین کی جائے تو ممکن ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو جائے یا جہالت سے اپنی جان کو ہلاک کرنے کا مُرتکب ہو جائے۔ بنا بریں خلیفہ پہلے کو تو تعزیر کا حکم دیتا ہے اور دُوسرے کے لیے خفیف سی تعزیر پر کفایت کرتا ہے نیز سُلطان عادل کبھی کبھی یُوں بھی کرتا ہے کہ کسی شخص پر طبعاً غُصّہ آجائے اور انتقام لینے کے درپے ہو مگر جب تک اِس پر شرعی الزام نہیں پاتا۔ انتقام لینے سے باز رہتا ہے لگر چونکہ اس شخص سے طبیعت غضبناک ہے تو کوشش کرتا ہے کہ کوئی شرعی حد اس پر جاری ہو کہ انتقام لے سکوں۔ جب ہی کوئی شرعی الزام اُس پر عائد ہو گیا فوراً سخت تعزیر لگا دیتا ہے۔

خلافت راشدہ اور سلطنت عادلہ کا فرق خلافتِ راشدہ اور سلطنت عادلہ کا فرق و امتیاز مندرجہ صورتوں سے جب واضح ہو گیا تو معلوم کر لینا چاہیے کہ سلطنتِ عادلہ کے قیام سے گو ظاہر میں شریعت کو نفع پہنچتا ہے لیکن باطن میں نقصان وہ ہے۔ کیونکہ اِس صورت میں یقیناً امّتِ مرحومہ کے واسطے ایک چُھپا ہُوا ضرر موجود ہے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت دربارۂ تہذیبِ اخلاق اور حسنِ خلق، اخلاص فی العمل، خیر خواہی خلق اللہ، تربیتِ عباد اللہ، تعظیم کُبرائے اُمّت و عظمائے مِلّت جو باعتبار فضائل دینیہ و کمالات شرعیہ واجب التعظیم والتکریم ہیں، برہم ہو جاتی ہے۔ اِس زمانے کے لوگوں کا مُنتہائے ہمت انھی چند فقہی مسائل کی یاد رہ جاتا ہے جن کے ذریعے سُلطانِ وقت کی گزند سے محفوظ رہ سکیں اور بدخواہ کو ان کے ذریعے مُلزم گردانیں یا ساکت کریں۔ اِس سلطنتِ عادلہ سے اگرچہ قالب شرع قائم رہتا ہے۔ لیکن اس کی رُوح کو نقصانِ عظیم

پہنچتا ہے۔ اِس لیے اسے ملک عضوض، یعنی سلطنتِ گزند اِس جگہ کہا گیا ہے جہاں خلافتِ راشدہ کے گزرنے کے بعد اُس کے وجود کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے کہ :-

هذا الامر بدء نبوة و رحمة ثم يكون خلافة و رحمة ثم ملكا عضوضا۔	یہ کام نبوّت اور رحمت سے شروع ہُوا۔ پھر خلافت اور رحمت ہوگی۔ اور اس کے بعد بادشاہی سختی کی۔

سلطنتِ عادلہ کی قسمیں سلطنتِ عادلہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اعلیٰ۔ دوسری اسفل۔ کیونکہ ظاہراً شرع کی پابندی جو سلطنتِ عادلہ کے لیے لازم ہے، یا تو خوفِ خالق کی بنا پر ہوگی یا مخلوق کی پاسداری ملحوظ خاطر ہوگی۔ پس اوّل اعلیٰ ہے اور دوم اسفل۔

تفصیلِ اقسام تفصیل یُوں ہے کہ سُلطانِ عادل جو ظاہری طور پر شرع کی پابندی کرتا ہے اس کی اِس پاسداری کا باعث یا تو یہ ہے کہ اللہ قدّوس کو تمام کائنات کا والی اور خالق سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو بھی اُس کا ایک ادنیٰ غلام تصوّر کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے کہ ایک روز رب العزّت کے حضور میں محاسبے کے لیے حاضر ہونا ہے اور گُستاخی و شوخ چشمی کی سزا یقیناً بُھگتنی ہے اور اُس کے دربار میں

شاہ وگدا برابر ہیں اور اُس کی عدالت ہر چھوٹے بڑے کے لیے یکساں ہے اور اُس کے سامنے جابر، ظالم اور متکبّر تباہ و برباد ہوں گے۔ ظالم و سرکش آگ کے طبقات میں گرفتار اور متکبّر و خود پسند اُس کے حضور میں ذلیل و خوار ہوں گے اگرچہ نفسِ امّارہ اسے میدانِ ضلالت کی طرف لے جانا چاہتا ہے لیکن خوفِ الٰہی سے وہ گُناہ سے بچ جاتا ہے۔ بلکہ اگر

کبھی وہ تبقاضائے بشریت دائیں بائیں بھٹکنے لگتا ہے تو وہی خوفِ الٰہی اس کا ہاتھ پکڑ کر کشاں کشاں راہِ راست پر لے آتا ہے۔ پس وہ حاجاتِ نفسانیہ کی حدِ شرعی تک ایفا کرتا ہے اور بس۔ اگرچہ اس کے غصّے کی آگ چاہتی ہے کہ کسی عاجز و ناتواں پر دستِ تعدّی دراز کرے۔ لیکن اس کے بدلہ پانے کے خوف سے اپنے کو جبراً و کرہاً باز رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب کوئی شرعی الزام اس پر پاتا ہے تو اس وقت اپنے دیرینہ غصّے کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اگرچہ اس کا دل کسی معشوقہ کے لیے پیچ و تاب کھاتا ہے اور اس کے وصال کا شوق اسے مضطرب کر دیتا ہے لیکن جب تک عقدِ نکاح نہیں کر لیتا ہرگز اس کے ساتھ وصل کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ہاں اس کے نکاح کی طلب میں ہر طرف دوڑتا بھاگتا اور ہر طرح کوشش کرتا ہے۔ خواہ اپنا قیمتی وقت صرف کرے یا مالِ کثیر خرچ کرے۔ اسی طرح اس کا نفس اگرچہ متکبّروں کی عادات کے اظہار کا تقاضا کرے۔ لیکن وہ اس حدیث کو ملحوظ رکھتا ہے۔

الکبریاء ردائی والعظمۃ إزاری	بڑائی میری چادر اور عظمت میرا ازار ہے۔

اور جس قدر اپنے امتیاز سے نشست و برخاست اور رفتار و گفتار میں مباحاتِ شرعیہ سمجھتا ہے انھی پر اکتفا کرتا ہے اور جابرانہ و متکبّرانہ عادات سے جو شرعی محرمات سے ہوں، باز رہتا ہے اور اگرچہ انبیا اور خلفائے راشدینؓ کی سیرت صاف صاف اس کے طریقے کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی لیکن کوئی شرعی [illegible]اض بھی اس پر عائد نہیں ہوتا۔

پس گویا ایمان کا اصلی شعلہ اس کے دل میں روشن تو ہے لیکن ہوا و ہوس کا دھواں بھی اس کے ساتھ ملا ہوا ہے اور گو یقین کی برق اس

کے دِل پر چمکتی ہے لیکن تغیرِ نیّت کی ظلمت اسے چھپائے ہوئے ہے جیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے :۔

اَنَّہٗ قَالَ قلت یَا رسول اللہ ھل بعد ھذا الخیر من شرٍ قال نعم قلت وھل بعد ذالک الشر خیر قال نعم وفیہ دُخْنٌ قُلْتُ وَمَا دُخْنُہٗ قَالَ یَسْتَنُّوْنَ بِغَیْرِ سُنَّتِیْ وَ یَھْدُوْنَ بِغَیْرِ ھَدْیِیْ۔

مَیں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے سوال کیا کہ آیا اِس بھلائی کے بعد برُائی ہے؟ فرمایا ہاں ! پھر مَیں نے عرض کیا کہ اِس برُائی کے بعد بھلائی ہوگی ؟ فرمایا ہاں ! اور اُس وقت خرابی بھی ہوگی ۔ عرض کیا ، خرابی کیسی ؟ فرمایا کہ بعض لوگ میری سُنّت کے علاوہ طریقہ اختیار کریں گے اور میری ہدایت کے سوا ہدایت تلاش کریں گے۔

سلطنتِ کاملہ پہلی بھلائی سے مُراد نبوت اور خلافتِ راشدہ کا زمانہ ہے ۔ اور شر سے مُراد خلافتِ راشدہ کے آخر میں اُمّت کا تفرقہ ہے اور خیرِ ثانی سے مراد سلطنت عادلہ ہے ۔ اور اس حدیث میں جو لفظ دخن ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ یہ حکومتِ سلطنت ہوگی نہ کہ حکومتِ خلافتِ راشدہ مَیں اِسی سلطنت کو سلطنتِ کاملہ کہتا ہوں ۔

یا ظواہرِ شریعت کی پاسداری کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ خوفِ الٰہی تو اس حد تک نہیں ہوتا کہ نفسِ امّارہ کو روک سکے البتّہ مخلوقات سے شرم کھانا اس کے دامن کو نہیں چھوڑتا کہ نفسِ امّارہ اسے احاطۂ شرع سے باہر لے جائے ۔ اور اس شرم کے اسباب مختلف ہوتے ہیں ۔ کبھی یہ وجہ ہوتی ہے کہ جس مُلک میں اس کی سلطنت ہوتی ہے اُس مُلک کے معزّز لوگ دیندار اور ظاہر شرع سے دلچسپی رکھتے ہوں یا اِس مُلک کے رسوم و عادات میں تشرّع

ہوا اور ہر کس و ناکس اِس سے تمسک کرنے والا اور ہر مومن و منافق اِس میں مقید ہو۔ اِسی بنا پر سلطان مذکور جانتا ہے کہ اگر اعلانیہ شرع شریف کے خلاف کرے گا تو بہرصورت تمام لوگوں میں بدنام ہو جائے گا یا خواص و عوام اِس پر بلوہ کر دیں گے یا اکابرِ مملکت و ارکانِ سلطنت اِس سے بیزار ہو کر اس کی اطاعت سے دست بردار ہو جائیں گے۔

یا اس وجہ سے بھی ظاہرِ شریعت کی پاسداری کرے گا کہ گذشتہ سلاطین میں سے کوئی سلطان اِس مُلک میں منصبِ سلطنت پر فائز ہو گذرا ہے اور دیانت و عدالت کے سبب خاص و عام میں نیک نام ہوا ہے اور اس موجودہ سلطان کے زمانے تک اس کا نام نیک ہر شہر و قصبہ میں شہرت پائے ہوئے ہے تو اگر وہ نیک نام سلطان اِس موجودہ سلطان کے آباؤ اجداد سے ہوگا تو یہ جانتا ہے کہ لوگ اسے فرزندِ سعید و جانشینِ رشید تبھی جانیں گے کہ اس کا آئین اپنے سلف کے مطابق ہو ورنہ اِسے ناخلف بیٹا اور بُرا جانشین کہیں گے۔ اور اگر اس کے آباؤ اجداد سے کوئی سُلطانِ کامل نہ ہوا ہو، تاہم وہ چاہتا ہے کہ نیک نامی کی خاطر مساوات پیدا کرے اور اس بارے میں اپنے آباؤ اجداد سے بڑھ چڑھ کر بنے تو اس صورت میں یہ حکمران مذکورہ سلطان سے ظواہر شرع میں قصداً زیادہ استقامت دکھاتا ہے۔

یا اِس شرم کا باعث یہ ہوتا ہے کہ اس کی سلطنت کا زمانہ خلافتِ راشدہ کے زمانے کے قریب واقع ہوا تو وہ جانتا ہے کہ اگر اُس کا آئین خلافت کے بالکل خلاف ہوگا تو ضروری ہے کہ تمام چھوٹے بڑے اس سے متنفر اور بیزار ہو جائیں گے اور اپنے اختیارات کی باگ اس کے ہاتھ

میں نہ دیں گے۔ اِسی بنا پر ظاہرِ شریعت کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور حدودِ شریعت سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا لیکن جس جگہ اہلِ تکلّف و تصنّع کے افعال اہلِ صدق و اخلاص کے افعال سے ممتاز نہ ہوں ایک ادنیٰ صاحب فراست بھی بخوبی سمجھ لیتا ہے اور اپنے دِل میں پُوری طرح محسوس کرتا ہے کہ اِس شخص کے افعال محض ایک بے جان صورت اور بے رُوح جسم کے مانند ہیں۔ بنا بریں اس کا تشرّع اور دیانت ہر مومن کو پسند بھی ہے اور ناپسند بھی۔ پسندیدگی اِس لیے کہ وہ بظاہر امورِ شرعی کا پابند ہے اور ناپسندیدگی اِس لیے کہ اِس کا وقوع مکّار و ریاکار آدمی کا سا ہے۔ پس اُس کے افعال مومنین مخلصین کی نظر میں معلوم ہیں اور مُنکر بھی ہیں۔ جیساکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے :۔

یکون علیکم امراء تعرفون وتنکرون۔	تم میں ایسے حُکمران بھی ہوں گے کہ ان کے افعال کو تم اچھا بھی جانوگے اور بُرا بھی۔

اور ہم اِس کو سلطنتِ ناقصہ کہیں گے۔

مندرجہ بالا مضمون کی تفصیل، یہاں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں جنہیں بصورتِ نکات بیان کیا جاتا ہے :

نُکتہ اوّل سُلطانِ کامل، حکمی خلیفہ راشد ہے یعنی اگرچہ خلافتِ راشدہ تک نہیں پہنچا لیکن خلافتِ راشدہ کے عمدہ آثار بعض ظواہر شریعت کی خدمت صدق و اخلاص سے اِس سے صادر ہوں۔ پس اگر کسی وقت سُلطانِ کامل تختِ سلطنت پر متمکن ہو اور اس وقت امامِ حق کا بھی وجود ہو جو خلافت کی لیاقت رکھتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ امامِ حق منصبِ امامت پر قناعت کرے۔ اور اپنی کوششِ ہدایت و ارشاد کی طرف مبذول کرے۔

اور سُلطان کے ساتھ امورِ سیاست میں دست وگریباں نہ ہو اور رعایا اور لشکر کو جنگ وجدال کے برپا کرنے میں بے سروسامان نہ کرے۔ اگرچہ خلافتِ راشدہ کا منصب اعلیٰ اس کے ہاتھ سے جا رہا ہے لیکن عباد اللہ کی خیر خواہی کے مدِ نظر اِس امر کو گوارا کرلے اور راضی بقضا ہو رہے اور تمام مسلمانوں پر اِس کو تصدّق کر دے جیسا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے سُلطانِ شام (امیر معاویہؓ) سے یہی طریقہ اختیار کیا اور اختلاف کا دروازہ نہ کھولا۔ اِسی مصالحت کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور فرمایا:

انّ ابنی هذا سیّد لعل اللّٰہ ان یصلح بِہٖ بین عظیمتین من المسلمین۔	میرا یہ بیٹا سید ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مُسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اِس کے باعث اللہ تعالےٰ مصالحت کرا دے۔

اِس حدیث سے ظاہر ہُوا کہ سلطانِ کامل پر اُمّت کا اجماع کرنا خُدا و رسُول کے منشاء کے مطابق ہے اور اس کی اطاعت درگاہِ خداوندی میں مقبول ہے۔

سُلطانِ کامل اور دیگر سلاطین میں فرق نکتہ دوم

سُلطانِ کامل سلاطین اور خُلفائے راشدین کے درمیان ایک برزخ کی طرح ہے اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو اس سُلطانِ کامل کو خلیفہ راشد تصوّر کریں اور اگر خلفائے راشدین کا حال معلوم کریں تو اسے سُلطانِ کامل سمجھیں۔ چنانچہ سُلطانِ شام (حضرت معاویہؓ) نے فرمایا:

لست فیکم مثل ابی بکر و عمر ولکن ستروں امرأ من بعدی	مَیں تم میں ابو بکرؓ اور عمرؓ جیسا حکمران تو نہیں ہوں۔ لیکن میرے بعد تم عنقریب امیر دیکھو گے۔

بنابریں اس کی سلطنت کا زمانہ زمانۂ نبوّت اور خلافتِ راشدہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ پس اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے کی ابتدا سے اِس سلطنتِ کاملہ کا زمانہ گُزر جانے تک ترقیٔ اِسلام کا زمانہ ہے۔ چُنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے :

تدور رحی الاسلام لخمس وثلاثین اوست وثلاثین فان یھلکوا فسبیل من ھلک وان یقم لھم دینھم یقم لھم سبعین عاما	اِسلام کی چکی پنتیس چھتیس یا سینتیس سال چلے گی۔ پس اگر وُہ ہلاک ہوئے تو ہلاکت کا راستہ ہے اور اگر دین کو قائم کیا تو ستّر سال قائم رہیں گے۔

لفظ "اَن یھلکوا" ظہورِ فتن اور خلافت راشدہ کے اِنتظام کے خلل کی طرف اشارہ ہے جو اُس زمانے کے آخر میں ہوئی اور کلمہ "اَن یقم لھم دینھم" ترقی دین کی طرف اشارہ ہے جو زمانۂ ظہور شوکت نبوّت و خلافتِ راشدہ اور سلطنتِ کاملہ میں ہوئی۔ ایک اور حدیث میں وارد ہے :

تعوّذوا باللّٰہ من راس السبعین۔	ہر ستّر برس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو۔

یہ کلمہ سلطنتِ کاملہ کے گزر جانے کی طرف اشارہ ہے۔

سو اِن تینوں زمانوں کے مجموعے کو زمانۂ برکت قرار دیا ہے کیونکہ شرو فساد جو قابلِ تعوّذ ہے وُہ سلطنتِ کاملہ کا زمانہ گزر جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔

نکتہ سوم سُلطان کامل بھی نیابتِ رسالت سے ایک طرح کا حصّہ دار کہا جا سکتا ہے اگرچہ اُس کی ریاست کو خلافتِ نبوّت نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن سلطنتِ نبوّت کہنا جائز ہے جیسا کہ سابقہ کُتُب سماوی میں رسُول

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں نازل ہُوا۔

مہاجرہٗ طیبۃ وملکہ | اسکی ہجرت گاہ مدینہ طیبہ ہوگی اور مُلک یعنی سلطنتِ

بالشام۔ | نبوّت شام میں ہوگی۔

سلطان کامل سے عوام کا واسطہ پس جس طرح نبی کی اطاعت و فرمانبرداری کریں گے ویسا ہی سُلطان کامل کے بارے میں کرنا ہوگا۔ اگرچہ انوارِ ہدایت سے کا حصول اور آثارِ دیانت کا اتبّاع. تہذیبِ اخلاق اور تکمیلِ مقامات میں تقرب الی اللہ کا طریقہ اور خلق اللہ سے حُسنِ معاشرت اور تربیتِ عباد اللہ اس سے سیکھا نہیں جاسکتا۔

نُکتہ چہارم چُونکہ سلطانِ کامل ایمان و اخلاص رکھتا ہے اور نیک کام اس کے ہاتھ سے انجام پاتے ہیں اور ظواہر شریعت کی ترقی اس کے اقبال سے رونق حاصل کرتی ہے لہذا جو کچھ تقاضائے بشریّت سے، تہذیب اخلاق وغیرہ کے بارے میں اس سے بعض امور خلافِ سُنّت ظاہر ہوں ان سے چشم پوشی کرنی چاہیے۔ اور اس کی خیرخواہی میں دِل و جان سے کوشاں رہنا چاہیے۔ اِس کی تھوڑی کوشش کو زیادہ جانتا اور چھوٹے کام کو بڑا کام تصوّر کرنا چاہیے۔ ہرچند وُہ لذاتِ نفسانیہ پُورا کرنے میں بھی مشغول ہے لیکن دینِ رب العالمین کی خدمت گذاری میں بھی تو مصروف ہے ؎

کمالِ صدق و محبّت ببیں نہ نقص و گناہ
کہ ہرکہ بے ہُنر افتد نظر بہ عیب کنُد

درجہ دوم سلطنت جابرہ

سُلطان جابر سُلطان جابر سے وہ شخص مُراد ہے۔ جس پر نفسِ اَمارہ اِس قدر حُکمران ہو کہ نہ تو اسے خوفِ خُدا مانع ہو سکتا ہے اور نہ مخلوق کی شرم۔ اور نفس کی فرمانبرداری میں نہ تو شرع کا لحاظ رکھتا ہے اور نہ عوام ہی کی پاسداری کا خیال۔ نفس امارہ جو بھی اس سے کہے بِلا تکلّف بجالاتا ہے اِس بات کی پروانہیں رکھتا کہ شریعت کی مخالفت ہے یا موافقت بلکہ اپنی لذاتِ نفسانیہ کے پُورا کرنے کو اپنی سلطنت کا ثمرہ سمجھتا ہے۔ ہم اسے "سُلطنت جابرہ" کہتے ہیں۔ جابر سلاطین شریعت کی مخالفت میں بمقتضائے اختلاف طبائع مُختلف ہوتے ہیں۔ کسی کو تکبّر و جبر مرغُوبِ خاطر ہوتا ہے کسی کو ناز و تبختر، کسی کو تعدّی و جور، کسی کو فسق و فجور، کسی کو مسکّرات کا استعمال، کسی کو لذیذ کھانے، کسی کو نفیس لباس، کسی کو لہو و لعب کسی کو نشاط طرب بھاتا ہے۔ الغرض نفس امارہ کی ہوا و ہوس کے بے شمار طریقے اور نفس پرستی کے ہزاروں مقدّمات ہیں اگر ان کی تفصیل کی جائے تو برسوں چاہئیں۔

البتہ اس کے چند اصول اور بے شمار فروع ہیں۔ اِن میں ایک تو سفاہت (بیوقوفی) ہے جس کے اندر عقل ہی نہیں نہ وہ دُور اندیش ہو سکتا ہے اور نہ صحیح راستہ ہی اختیار کرتا ہے۔ تمکین و وفا کو ایک جَو کے برابر بھی نہیں سمجھتا نہ دُنیا کی شرم نہ قیامت کا ڈر بلکہ صحیح یا غلط جو چیز اُس کے خیال میں آئے کر گزرتا ہے یہ نہیں سوچتا کہ اس میں نفع ہے یا نقصان اور انجام کار

کی طرف ہرگز خیال نہیں کرتا۔ بلکہ دیوانہ دار بچوں کی طرح اس کے پیچھے لگ جاتا اور شترِ بے مہار کی طرح ہر جگہ مُنہ کھول دیتا ہے۔ جب ایسا شخص منصبِ سلطنت تک پہنچتا ہے تو سلطنت کے تمام کاروبار درہم برہم ہو جاتے ہیں۔ اِس کے افعال نہ تو شرعی قانون کے مطابق ہوتے ہیں اور نہ عوام ہی کے طریقے کے موافق۔ ایسی سلطنت سے ہر کس و ناکس نالاں اور ہر صغیر و کبیر آہ و فغاں کرتا ہے۔ یہ ایک بلائے عظیم ہے کہ ہر عاقل و بے وقوف اِس سے گریزاں اور ہر غافل و ہوشیار اِس سے پرہیز کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

اعیذک باللہ من امارۃ السفھاء وقال نعوذوا باللہ من رأس سبعین وامارۃ الصبیان	مَیں تجھے بے وقوفوں کی امیری سے اللہ کی پناہ کی تعلیم دیتا ہوں۔ اور فرمایا پناہ مانگو اللہ تعالیٰ کی ہر ستّر سال کے شروع میں اور لڑکوں کی امارت سے۔

اور فرمایا:

ھلاک امّتی علیٰ یدی غلمۃ من قریش"	میری اُمت قریش کے لڑکوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہو گی۔

عیّاشی کی راہ ان میں سے ایک عیاشی کی راہ ہے اِس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ جبلی عادت کے موافق قوتِ شہوانی سے مغلوب ہوتے ہیں اور ان کی تمام ہمّت لذّاتِ نفسانیہ کے القا اور جسمانی راحت کے حصول میں مصروف اور اُن کی عقل عیاشی کے دقائق میں مشغول ہوتی ہے۔ رات دن طعامِ مرغوب و لباسِ خوش اسلوب و شربِ خمور اور دیگر مسکرات جو کہ فرح و سُرور کے پیدا کرنے والے ہوتے ہیں کے دقائق میں

رہتے ہیں اور شطرنج بازی و مزمار نوازی اور محافل رقص و سرود کے مقرر کرنے اور اغلام و جماع کے انہماک اور بناء بلند عمارات و تفرج بساتین دلپسند وغیرہا میں غور و فکر کرتے اور فسق و فجور کی داد دیتے رہتے ہیں۔ جب ایسے شخص منصب سلطنت کو پہنچتے ہیں تو دقیقہ شناس عاقل جوان کے حضور میں جمع ہوتے ہیں جب ان کی رغبت مذکورہ امور کی طرف دیکھتے ہیں تو ابواب لہو و لعب اور نشاط طرب کے اسباب کے استخراج و حصول میں سعی بلیغ بجا لاتے ہیں۔ اور اسے ایک طویل و عریض فن بنا دیتے اور کمال تک پہنچا دیتے ہیں اور ایسے سلاطین بھی ایسے ہی اہل فن کو اپنا ہمنشین و خیر خواہ سمجھتے ہیں اور اپنی بارگاہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ پس ان میں سے جو کوئی برملا عیاش، بے حیا، نقال، حیلہ باز، دیوث، مغنی و مزمار نواز ہوتا ہے وہی مقرب دربار معظم درگاہ ہوتا ہے۔ یہ فسق و فجور سوائے اسراف کے کمال کو نہیں پہنچتا اور اسراف سوائے کثرت مال کے ناممکن ہے۔ اسی واسطے حصول مال کے لیے کئی وجہ کی ظلم و تعدی اس سے صادر ہوتی ہے اور رعایا پر دست درازی اور ملک میں فساد کی راہ برپا ہو جاتی ہے اکثر غریب و ضعیف لوگ بے خانماں اور اہل تجارت و زراعت بے سر و سامان ہو جاتے ہیں۔ کبھی یہی فسق و فجور، ارباب ننگ و ناموس و اہل عزت کی پردہ داری اور بے عزتی کا باعث ہو جاتا ہے اور یہی مملکت کی بربادی کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ جس وقت سلطان وقت لہو و لعب اور نشاط و طرب میں مشغول ہوا ضرور عدالت و حفاظت کا حال خراب ہو جاتا ہے۔ پس رعایا آپس میں ظلم کرنے لگتی ہے۔ الغرض سلاطین کا فسق و فجور، ظلم و تعدی اور فساد ملک کی خرابی کا باعث ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إن هذا الأمر بدء نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة ثم ملكاً عضوضاً ثم ملكاً جبرية وعتواً وفساداً في الأرض يستحلون الحرير والفروج والخمور يرزقون على ذلك وينصرون حتى يلقوا الله۔	یہ کام نبوت اور رحمت سے شروع ہوا، پھر خلافت اور رحمت ہوگی، پھر سخت بادشاہی، پھر سلطنت زیادتی اور ظلم کی اور پھر ملک میں فساد ہوگا۔ حریر، فروج اور شراب کو حلال جانیں گے۔ روزی اور فتح اسی پر ہوگی یہاں تک کہ اللہ سے ملیں۔

بلائے عظیم اور ایسی فسق و فجور کی سلطنت اُمت و ملت کے حق میں بلائے عظیم ہے کیونکہ ارباب دانش و دیانت ایسے سلاطینِ وقت سے دُور بھاگتے اور ان کی صحبت سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور ان کی مجلسوں اور محفلوں میں داخل نہیں ہوتے اور ان کا تقرب حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ اِسی وجہ سے ان کی معاش میں کمی ہو جاتی ہے اور اطمینانِ قلبی حاصل نہیں ہوتا کہ اصلاحِ آخرت میں کوشاں اور طلبِ راہِ حق میں مشغول ہو سکیں۔ اور اگر ان کا تقرب چاہیں اور مقربوں کی راہ اختیار کریں تو اول تو اپنے دین و ایمان سے دستبردار ہو جائیں اور ننگ و عار سے علیحدہ ہو کر فحش گوئی کو اپنا کمال سمجھیں اور سرود سرائی کو اپنا ہُنر خیال کریں۔ پس چارۂ کار یہی ہے کہ اصل دین و ایمان کو برباد نہ کریں اور ہرگز ان کی ملازمت اختیار نہ کریں۔ اور دِل میں ایسا خیال بھی نہ لائیں کہ اپنے دین کو محفوظ رکھتے ہوئے بقدرِ ضرورت اصلاحِ معاش کے لیے ان کے حضور میں تھوڑی سی کوشش بھی کر پائیں۔ یہ پُرخلل خیال سراسر باطل و مُحال اور وہم ہے ؎

ہم خُدا خواہی و ہم دُنیائے دوں
ایں خیال اَست و مُحال است و جنوں

حُبِّ مال اِن میں سے ایک حُبِّ مال ہے۔ اِس کی تفصیل یوُں ہے کہ بعض اشخاص حُبِ مال میں مجبور ہوتے ہیں۔ اِس وجہ سے کہ اجتماعِ اموال سے نفس مسرُور ہوتا ہے اگرچہ وہ مال کو اپنی لذاتِ نفسانیہ میں صرف نہیں کرتے مگر وہ جمعِ مال کو ہی ایک بڑی لذّت خیال کرتے اور اس کی کثرت کو بہترین راحت سمجھتے ہیں۔ جس وقت اپنے خزائن و دفائن پر نظر کرتے ہیں تو دِل سے شاداں و فرحاں ہو جاتے ہیں اور اس کی زیادتی کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ کتنی ہزار تکالیف و رنج، خزینہ و گنج کے فراہم کرنے میں اپنی جان پر گوارا کرتے ہیں۔ ہر چند بھُوک پیاس سے مریں۔ لیکن ایک کوڑی بھی اِس سے باہر نہیں لاتے۔ جب ایسے شخص منصبِ سلطنت کو پہنچتے ہیں۔ تو بُخل کی داد دیتے ہیں۔ اور حرص کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے حق کو پُورا کرنے میں اہلِ زراعت و تجارت اور اغنیا و فقرا اور تمام رعایا سے ایک ایک حبّہ تک گن لیتے ہیں۔ اور ایک کوڑی بھی کسی پر ترس کھا کر نہیں چھوڑتے بلکہ اِس بات کے دِل سے خواہاں رہتے ہیں کہ ان کی رعایا سے کوئی گنُاہ یا قصور واقع ہو تو اسے حیلے سے پکڑیں اور اس کے مال و اجناس کو اُڑا لیں۔

الغرض مال کے جمع کرنے میں خود بھی غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے ہمنشینوں کو بھی اِس باب میں عقل صرف کرنے کا حُکم دیتے ہیں۔ پس جس کسی نے جمعِ مال کے لیے کوئی اچھی تدبیر نکالی اور رعایا کو دام میں پھنسانے کا حیلہ اِس سے خوب برمحل ہُوا تو ان کے نزدیک وہی وزیر و مشیر اور امیر کبیر ہے۔ پس اس کی کوشش سے حیلہ سازی و فریب بازی کا فن کمال کو پہنچتا ہے اور اس کے اصول و فروع قائم ہو جاتے ہیں۔

بخل۔ اور ایک بُخل ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنے ملازموں سے اپنی خدمت کی بجا آوری دل وجان سے چاہتے ہیں اور وہاں کی خدمتگذاری کو اپنا فخر خیال کرتے ہیں۔ لیکن خزانۂ عامرہ سے کچھ بھی کم نہیں ہونے دیتے اور دفینۂ عامرہ سے ایک کوڑی بھی باہر نہیں نکالتے۔ بنابریں اِن سے خدمت لینے کے بہت سے حیلے تراشے جاتے ہیں اور حُسنِ خلق وتالیفِ خلق ، ریاست وسیاست کے فن میں ملاتے ہیں۔ کسی پر الزام رکھ کر اس کی خدمت کو برباد کرتے ہیں۔ اور کسی کو مجرّدِ تعظیم وتکریم سے فریب دیتے ہیں۔

الغرض ان کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ ان سے خدمت لیتے رہیں اور دیں کچھ بھی نہیں۔ اور جس جگہ کچھ دینا ضروری ہو تو اس وجہ سے دیتے ہیں کہ پورا حق مُستحق تک نہیں پہنچتا۔ بلکہ ان کے حق سے کچھ خزانے میں ہی رہ جاتا ہے۔ مثلاً انہیں تو زروسیم ناقص دیں اور خود خالص لیں۔ اور ان کی خدمت گزاری کے ایّام سے چند ایام وضع کرلیں اور بہت خدمت لینے کے بعد ان کا نام دفتر میں لِکھوائیں۔ یہ طمع وبُخل کی سلطنت آخر کار فسادِ مملکت تک پہنچتی ہے اور اصلی حکومت برباد ہوجاتی ہے۔ لیکن رعایا کے حق میں مصلحتِ وقت یہی ہے کہ سُلطانِ بخیل کی کدوکاوش پر صبر کریں اور اس کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے اجتناب کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اب تو وُہ درپردہ مکروفریب سے کام چلاتا ہے اور پھر جھگڑے کے بعد علانیہ ظُلم اور تعدی شروع کردے۔ کیونکہ وہ طمع پر مجبور ہے جس وقت تحصیلِ مال میں کوئی راہ نہ پائے گا تو بالضرور صریحاً جوروتعدی شروع کردے گا۔

مُسلمانوں کے لیے لائحہ عمل | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ذر غفاریؓ سے فرمایا:-

كيف انتم وائمة من بعدى يستاثرون هذا الفئ قال ابو ذر اما والذى بعثك بالحق اضع سيفى على عاتقى ثم اضرب به حتى الحقك قال ابولا ادلك على خير من ذلك تصبر حتى تلقانى ۔

کیا کرو گے تم جبکہ میرے بعد کے امام ایسے ہوں گے کہ اِس مال غنیمت کو پسند کریں گے؟ تو ابو ذر نے عرض کیا قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں تلوار سے اپنے تئیں ختم کر دوں گا اور اِس طرح آپ سے آملوں گا آپ نے فرمایا کہ کیا میں تجھ کو اِس بات سے بہتر نہ بتاؤں "صبر کرو یہاں تک کہ تو مجھ سے آملے"۔

اور فرمایا:-

انكم سترون بعدى اثرة وامورا تنكرونها وروى ان الصحابة قالوا يانبى الله ارايت ان قامت علينا امراء يسئلونا حقهم ويمنعونا حقنا فما تامرنا قال اسمعوا واطيعوا فان عليهم ما حملوا وعليكم ما حملتم

تم میرے بعد ایسے نشان اور کام دیکھو گے کہ مُنکرات سے ہونگے۔ اور روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسُولؐ اللہ فرمائیے کہ اگر ہم پر ایسے امیر ہوں جو اپنا حق تو مانگیں۔ اور ہمارے حق نہ دیں تو ہم کو کیا حکم ہے؟ فرمایا سُنو اور کہا مانو۔ جو وہ کریں گے وہ پائیں گے۔ اور جو تم کرو گے تم پالو گے۔

اور اس میں ایک خونخواری اور مردم آزاری ہے اس کا بیان یُوں ہے۔ کہ بعض لوگ عادتِ جبلّی کے موافق مغلوب الغضب اور کینہ ور ہوتے ہیں۔ جو غُصّے اور جوشِ غضب کے وقت اِس قدر تُند خو اور سخت گیر ہو جاتے ہیں کہ حدِّ اعتدال سے گزُر جاتے ہیں اور مجُرم کے جُرم کو نہیں دیکھتے اور گُناہ کی مقدار کو عقل کی ترازو سے نہیں پہچانتے بلکہ جب تک اِس مجُرم کو قتل تک نہ پہنچائیں۔ یا اسے اپنے پرائے کے رُوبرو ذلیل و خوار نہ کرلیں ان کا دِل تسلّی نہیں پکڑتا۔ اور اگر کسی قوم میں سے ایک شخص نے ان کی مخالفت کی تو وہ تمام قوم سے عداوت کرتے اور ہر نیک و بد پر لعن طعن کی زبان دراز کر دیتے ہیں۔ جب ایسے شخص منصب سلطنت پر قائم ہو جاتے ہیں تو ظلم و تعدّی کرتے اور بندگانِ الٰہی کو طرح طرح کے عذاب میں گرفتار کر دیتے، اور اہل عزت و اعتبار کو طرح طرح سے ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ بنی آدم کے حق میں گرگِ ظالم اور پھاڑنے والے کُتّے کے مانند ہو جاتے ہیں۔ ان کی مضرت ہر صغیر و کبیر اور ارباب عزت و اعتبار و مساکین و اغنیا و فقراء کے حق میں یہاں تک بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ انتہا نہیں رکھتی۔ حتیٰ کہ ان کے ظُلم سے تنگ آکر غریب اور ضعیف مُسلمان کُفّار نابکار کی حکومت کو ایسی جبار حکومت پر ترجیح دیتے ہیں اور اُسے باعث تسکین خلق اللہ شمار کرتے ہیں۔ چُنانچہ جیسے سُلطان سے رعایا رنج اور دُکھ میں ہوتی ہے اِسی طرح ظالم سُلطان بھی رعایا سے بیزار ہو جاتا ہے۔ رعایا ظالم بادشاہ کی بدخواہ ہوتی ہے اور وُہ رعایا کا بدخواہ۔

امام اور عوام کا تعلق | جیسا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

ائمتکم الذین تحبونھم و یحبونکم و تصلون علیھم و یصلون علیکم	تمہارے بہتر امام وہ ہیں کہ تم اُن کو دوست رکھو اور وہ تم کو، تم ان کے لیے دُعا مانگو

شرار اُمنکم الذین تبغضونهم و یبغضونکم و تلعنونهم و یلعنونکم۔

اور وہ تمہارے لیے۔ اور تمہارے بُرے امام وہ ہیں کہ تم ان پر غضبناک رہو اور وہ تم پر اور تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر۔

ایمان کی بیخکنی

جیساکہ بادشاہ کا ظلم معاش رعایا کو برباد کرتا ہے ایسے ہی ان کے ایمان کی بھی بیخ کنی کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے خوف سے کبھی رہا نہیں ہوتے کہ دین و دُنیا کی تکمیل میں مشغول ہوں۔ پس سلطنتِ ظالمہ کا قیام مثل مذاہب باطلہ کے انتشار کے ہے جو کہ قوانینِ ملّت کو برہم کر دیتا اور آئینِ سلطنت کو گھٹا دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

انما اخاف علی اُمتی الاستسقاء بالانواء وحیف السلطان و تکذیب بالقدرۃ

مَیں اپنی اُمّت سے اس امر میں ڈرتا ہوں کہ بارش مانگے انواء کے وسیلے سے، اور سُلطانوں کے ظُلم سے اور اس سے کہ تقدیر کو جُھٹلا دیں۔

ظالم سُلطان کا ظُلم

اور بعض وقت ظالم سُلطان بعض اقوام پر بہت پُرغضب اور انتقام طلب ہو جاتا ہے اور انتقام لینے میں فرمانبردار و نافرمان کی تمیز اور گنہ گار و بے گناہ کا خیال نہیں کرتا اور بے دریغ تہِ تیغ کرتا اور اقالیم و بلدان کو بے نُور کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

من خرج علی امتی بسیفه یضرب برّها وفاجرها ولا ینحاشا من مومنا ولا یفی الذی عهد عهدهٗ فلیس منی ولست منه۔

جو شخص تلوار لے کر میری اُمّت پر نکلا اور نیک و بد کو مارا اور مومن کی پروا نہ کی اور کسی عہد والے کا عہد پُورا نہ کیا۔ پس وہ مجھ سے نہیں اور مَیں اُس کا نہیں۔

اور بعض وقت اس کا جوشِ غضب بعض اقوام پر اس کے دِل میں

جوش زن تو ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت اُن سے انتقام لینے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اور تخم کینہ کو اپنے سینے میں بوئے رکھتا ہے اور اس وقت کا انتظار کرتا ہے کہ اپنا دیرینہ غصّہ ان پر نکالنے کا موقع ملے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ما من والٍ یلی رعیۃً من المسلمین فیموت وھو غاش لھم الا حرّم اللہ علیہ الجنۃ؟	جو سردار مسلمانوں پر حکمران ہو اور وہ دھوکے بازہی مر جائے تو اللہ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔

تجبّر و تکبّر و دیگر منکران

اور ان میں سے ایک تجبّر و تکبّر ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ بعض لوگ فطرتاً سرکش و خود پرست ادعا پسند اور اپنی خود ستائی میں مشغول رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو بلند اور دوسرے ہر صغیر و کبیر کو حقیر جانتے ہیں۔ اپنے ادنیٰ ہنر کو اگرچہ وہ محض خیال ہی ہو مثلاً علوِ حسب و نسب دوسروں کے کمالات کے مقابلے میں بلند رتبہ سمجھتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اپنی نسبت کو ننگ و عار جانتے ہیں۔ الغرض اوروں کی حقارت کو اپنی عزت اور بھائیوں کی عار کو اپنی عین عظمت خیال کرتے ہیں۔ اپنے کمال پر ناز کرتے اور دوسروں کے کمال کو گراتے ہیں۔ ان کی آرزو کی انتہا یہی ہوتی ہے کہ انہیں تمام بنی نوع انسان میں ایسا امتیاز حاصل ہو کہ کوئی ان سے مشارکت نہ کر سکے اور مشابہت کی راہ نہ پا سکے۔ جب ایسا شخص منصبِ سلطنت کو پہنچتا ہے تو تکبّر سے رفتار و گفتار، نشست و برخاست القاب و آداب اور دیگر تمام معاملات و عادات میں اپنے آپ کو ممتاز سمجھتا ہے اور ہر طرف کی چیزیں اپنی ذات کے لیے اس طرح مخصوص کرتا ہے کہ اس میں کسی دوسرے کی شرکت نہ ہو سکے۔ اور دوسروں کے لیے

مساوات کی راہ بالکل مسدود کر دیتا ہے۔ مثلاً جبکہ اپنے بیٹھنے کے لیے تخت
بنایا تو دُوسروں کو اس پر بیٹھنے نہ دے یا جس مجلس میں خود بیٹھے وہاں
دوسروں کو نہ بیٹھنے دے اور جو لفظ اپنے واسطے مقرر کیا، جیسا کہ سُلطان
،شاہ، بادشاہ، ملک و حضور اقدس وغیرہ تو اگر کوئی اِن القاب یا الفاظ
سے خواہ اس کے فرزندوں کو مخاطب کیا جائے تو بھی وہ اپنی توہین سمجھتا
ہے اور کہنے والے کو مجرم ٹھیراتا ہے۔ الغرض اس کا دل یہی چاہتا ہے
کہ اس کی جان کو بندگانِ الٰہی و امتیانِ رسالت پناہ سے بھی شمار نہ کیا
جائے اُور ان کو اپنی جنس سے نہیں جانتا اور ہر بات میں علیحدہ راہ ڈھونڈتا
اور اپنی ذات کو ہر وجہ سے ممتاز سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے آئین و
قوانین کو بمقابلہ اصولِ دین واحکامِ شرعِ متین کے، عامۃ الناس میں مسلّم
ومقبول اور ہر کس و ناکس کو ان کا تابع بنائے۔ کسی کو اُن کے سامنے
قیل و قال کی مجال اور بحث و جدال کا موقع نہ ملے۔ گویا کہ وہ احکامِ الٰہی کا
مخاطب نہیں اور نہ ان کی مخالفت پر معتوب ہی ہوگا اور یہی ہر دو باتیں
یعنی خودسری اور تمنائے نفاذِ حُکم آناً فاناً ترقی پکڑتی اور صورت تعلّی
قبول کرتی ہیں یہاں تک کہ دعویٰ اُلوہیت و رسالت تک پہنچا دیتی ہیں
اور اسے فرعون و نمرود کے بھائیوں میں سے بنا دیتی ہیں۔ اوصافِ الٰہی
میں سے کوئی وصف نہیں جس کو یہ جبّار ظالم اپنی تحریر، فرمانوں اور پروانہ
جات کے ضمن میں اپنی طرف منسوب نہ کرے اور انبیاء و مرسلینؑ کے
مناصب میں سے کوئی منصب نہیں کہ یہ دین کا دشمن اس کا دعویٰ نہ
کرے اور خلفائے راشدین کے مراتب میں سے کوئی مرتبہ نہیں کہ یہ رئیس
المفسدین ان میں ان کے ساتھ راہ مساوات نہ ڈھونڈتا ہو۔ پس یہ تجبر و تکبر

کی سلطنت جیسی کہ تمام اُمت و ملت کے حق میں نہایت مضر ہے۔ ایسی ہی اِس سے ہزار گنا زیادہ اِس جاہل مدعی کے حق میں سمِ قاتل ہے۔ کسی سُلطان کو اپنی سلطنت سے اتنی قدر ضرر نہیں پہنچا۔ جس قدر متکبر سلطان کو اپنی سلطنت نہیں پہنچتا ہے جو اپنی جان کو رعایا کا خالق سمجھتا یا نبیِ خلائق جانتا ہے۔ خصوصاً اس وقت جبکہ زمانہ اس کا یار اور بخت یاور ہو اور اکابر و سرکشانِ زماں پست و زیرِ دست ہو جائیں۔ اِس صورت میں اِس کا تکبر دو بالا اور دماغِ نخوت عالمِ بالا تک پہنچ جاتا ہے۔

حضور کی پیشگوئی | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اذا مشت امتی المطیطاء و خدمتها ابناء الملوك ابناء فارس والروم سلط الله شرارها علی خیارها۔

جب میری اُمت اِترا کر چلے اور اس کے خدمتگار فارس اور روم کے بادشاہوں کی اولاد ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کے بُروں کو اچھوں پر مسلّط کر دے گا۔

حدیث قُدسی | اور فرمایا :۔

الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدًا منهما ادخلته النار۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر میری چادر اور بڑائی میرا ازار ہے جو کوئی اِن دونوں میں سے کسی کو مجھ سے چھینے تو میں اُس کو آگ میں داخل کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ مغضوب | اور فرمایا :۔

اغیظ رجل علی الله یوم القیامة واخبث رجل

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس شخص پر سب سے زیادہ غضبناک ہوگا اور

كان يسمى ملك الاملاك لا ملك الا الله۔

اُسے سب سے بدتر سمجھے گا جو اپنا نام ملک الاملاک رکھے۔ کیونکہ ملک الاملاک خدا کے سوا کوئی نہیں۔

علوِ شانِ الٰہی اور فرمایا:۔

لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبید اللہ وکل نساءکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی ولا یقل العبد ربی ولکن لیقل سیدی وفی روایۃ لا یقل العبد لسیدہ مولای فان مولاکم اللہ

کوئی شخص کسی کو یہ نہ کہے کہ میرا بندہ یا میری لونڈی۔ تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں۔ بلکہ یوں کہدیا کرو کہ میرا غلام یا میری خدمتگار، اور غلام اپنے آقا کو رب نہ کہے بلکہ اپنا سردار کہہ دے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ غلام اپنے آقا کو اپنا مولا نہ کہے، کیونکہ سب کا مولا اللہ تعالیٰ ہے۔

سلطنتِ جابرہ کی اقسام یہ سلطنت جابرہ جس کا ذکر کیا گیا ہے دو قسم کی ہے۔

قسمِ اوّل جو سلطان جابر باوجود اِس شوخ چشمی و گستاخی کے جو مذکور ہوئی قدرے ایمان بھی رکھتا اور بعض اعمال صالحہ میں وقت صرف کرتا ہو، اگرچہ اِن اعمال کو اِس وجہ سے ادا کرے کہ مشروع طریقے کے مطابق نہ ہوں اور اہل دیانت کی نہ سُنتا ہو بلکہ اپنے خیال کے مطابق ادا کرے اور اپنی طلینت کے موافق ان پر لگے۔ لیکن اپنے دل میں اِسی کو وسیلۂ تقربِ الی اللہ بنا کر اخلاص دِلی سے بجالائے۔ جیسا کہ اپنی ذات کے لیے خزائن و دفائن صرف کرتا ہے۔ ایسے ہی کوئی مسجد نہایت لطیف و نفیس

اور مطلاً مذہب، مصفا و منقش بنا کرے اور اسے مالی عبادت سمجھے۔ اگرچہ ایسی مسجد بھی جنسِ اسراف سے ہے جو شرعاً نا محمود اور عنداللہ نامقبول ہے۔ لیکن جبکہ اس کے نزدیک انفاق طریقۂ خرچ ہے پس فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے یہی معنی سمجھتا ہے کہ شرعی محمودہ مصارف میں جس قدر اسراف کرے اسی قدر عنداللہ محمود اور عندالشرع مقبول ہے۔ اسی بنا پر تقرب الی اللہ کے لیے مال کثیر اس میں صرف کیا اور قبولیت زیادہ ہونے کے لیے اسراف کی راہ اختیار کی۔

قسم دوم وہ سلطان جابر جو دل میں اس قدر خوف الٰہی نہیں رکھتا کہ افعالِ شرعیہ کو بھی اخلاصِ نیت سے بجا لائے بلکہ اسے رسم و عادت اور اہلِ زماں کے درمیان نیک نامی حاصل کرنے اور زمانے پر سبقت حاصل کرنے کی بنا پر عمل میں لاتا ہے۔ اور اس کو اپنے جاہ و جلال کے لوازم میں سے سمجھتا ہے۔ پس جیسا کہ سلطانِ اوّل کے اعمال صالحہ باعتبار ظاہریت کے مردود مگر باعتبار نیت محمود تھے۔ ایسے ہی اس دوسرے سلطان کے اعمال ظاہر و باطن ہر دو صورت میں ناسد و کاسد ہیں۔

اس معنی میں چند لطیفے ہیں جو چند نکات کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں۔

نکتہ اوّل سلطان جابر اگرچہ عنداللہ مردود اور تقرب سے دور ہے۔ لیکن نوعِ انسان میں مومنین کو اس سے کچھ فائدہ اور کافروں کو کچھ ضرر پہنچتا ہے۔ مثلاً مملکت و سلطنت کی طلب میں مسلمان عقلاء کو امیر وزیر بناتا اور ان سے کفار سلاطین کو ضرر پہنچاتا ہے۔ اگرچہ مومنین کی پرورش اور کافروں کی سرزنش اعلائے کلمۃ اللہ کی بنا پر عمل میں نہیں لاتا۔ پس اس عمل کا نفع اگرچہ اس کی ذات کو نہیں پہنچتا لیکن دین اور اہلِ دین ایک طرح سے سرسبز

ہوتے ہیں۔ پس اسے اندھے مشعل بردار یا اسیر خدمت گزار کے مانند سمجھنا چاہیے اور نیک کام میں اس کا شریک حال ہونا چاہیے اور اس کا وجود نہ ہونے سے بہتر سمجھنا چاہیے اور حتی المقدور اس کے ساتھ جھگڑا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بلکہ درگاہِ ربّ العزّت سے اس کے حال کی اصلاح طلب کرنی چاہیے اور اس کے ظُلم و تعدّی کو بلائے آسمانی سمجھنا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

ان اللہ تبارک وتعالیٰ یقول انا اللہ لا الٰہ الا انا مالک الملوک قلوب الملوک فی یدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکھم علیھم بالرحمۃ والرافۃ وان العباد اذا عصونی حولت قلوبھم بالسخط والنقمۃ فساموھم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم ملوککم۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں اللہ ہوں نہیں کوئی معبود مگر میں مالک الملوک ہوں بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں۔ جب میرے بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو ان کے حکمرانوں کے دِلوں میں نرمی اور رحمت ڈال دیتا ہوں اور جب میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دِلوں میں غُصّہ اور بُرائی ڈال دیتا ہوں تو وہ انہیں بُری طرح تکالیف پہنچاتے ہیں۔ ایسی حالت میں حکمرانوں کی اصلاح حال کی دُعا کرنے میں تم اپنے نفسوں کو مشغول مت کرو۔ بلکہ اپنے نفسوں کو تضرّع و زاری کے ساتھ نیکی کی طرف لاؤ۔ کیونکہ تمہارے بادشاہ میرے اختیار میں ہیں۔

نکتہ دُوم | سُلطان جابر اکثر اپنی جان کو مُسلمانوں میں شمار کرتا ہے۔ کبھی کبھی دینِ متین کی حمیّت اور شرعِ مبین کی غیرت اس کے دل میں جوش

مارتی ہے اور اس بناء پر اعلاء کلمۂ حق میں کوشش کرتا ہے۔ پس اِس صورت میں دینِ متین کی تائید اس سے ظاہر ہوتی اور شرعِ مبین رونق پاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالعبد الفاجر	اللہ تعالیٰ اِس دین پاک کی مدد گنہ گاروں کے ہاتھ سے کرے گا۔

پس اِس صورت میں اس کی اطاعت جملہ ارکان اسلام سے ہے اور اس کی اعانت سید الانام کی خدمت ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الجھاد ماض الی یوم القیامۃ لا یبطلہ عدل عادل ولا جور جابر	جہاد قیامت تک جاری رہے گا اِسے کوئی عادل اور ظالم نہیں مٹا سکتا۔

افضل الجہاد نکتہ سوم بیشک سلطان جابر امر بالمعروف کا محتاج ہے اور اس کے حضور میں اظہارِ حق افضل عبادات سے ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

افضل الجھاد کلمۃ حق عند السلطان جابر	بہترین جہاد سلطان ظالم کے رُوبرو کلمہ حق کہنا ہے۔

لیکن امر بالمعروف اِس طرح کرنا چاہیے کہ مخالفت یا منازعت پیدا نہ ہو ایسی کہ حدِ بغاوت تک پہنچ جائے۔ کیونکہ امام جابر کی بغاوت شرعاً جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ وسلم نے فرمایا:۔

الا من ولی علیہ وال فراہ یاتی شیئاً من معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ و لا ینزعن یدا من طاعۃ	خبردار جو کوئی کسی سردار کے ماتحت ہو اور اس سردار سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس گناہ کو تو بُرا سمجھے لیکن سردار کی اطاعت سے نہ پھرے۔

سلطنتِ ضالّہ درجہ سوم

سُلطان جابرہ کا زمانہ ایک مدّت تک رہتا ہے اور جبار سلاطین سالہا سال اِس تجبّر و تکبّر کے طریقے پر پے در پے قائم رہتے ہیں اور گویا کارخانہ سلطنت میں جاہلیت کا زمانہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھا ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ اور خلافتِ راشدہ و سلطنتِ عادلہ مثلِ خواب معلوم ہوتی ہے اور لفظ "ریاست و سیاست" سے یہی سلطنتِ جابرہ مفہوم ہوتی ہے۔ پس کوئی اہلِ ہدایت و دیانت، ریاست و سیاست کے امور کو جنسِ اطاعت و عبادات سے نہیں سمجھتا۔ بلکہ اسے دُنیا پرستی کی قبیح اقسام اور سرکشی و مستی کی فحش انواع سے جانتا ہے پس اکابرِ ملّت و اُمّت اِس سے دُور بھاگتے، اِس کے قُرب و جوار سے پرہیز کرتے اور ایسے سلاطین کی صحبت سے دست بردار و بیزار ہو جاتے ہیں۔ پس متکبّر سلاطین ملعون شیاطین کی طرح بے کھٹکے نفسِ امّارہ کے تابع ہو کر فسق و فجور میں مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ مع اپنے ہمنشینوں کے ہمیشہ فسق و فجور کے نئے نئے طریقے اختراع کرتے اور ظُلم سے مال و خزانہ جمع کرنے، عمّال کے موقوف و بحال کرنے اور رعایا کو عذاب دینے اور برباد کرنے میں مشغول رہتا ہے۔ اور اس کے اصول و فروع کا استنباط کرتا ہے اور بمضمون "ہر آنکہ آمد برآں مزید کرد" یہ قبیح طریقہ روز بروز ترقی پکڑتا جاتا ہے اور دن بدن رونق پر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے کلّیات مضبوط اور جُزئیات مبسوط ہو جاتے ہیں اس کے اصول مقرر اور فروع تحریر میں آجاتے ہیں۔ ہر امر میں ریاست و سیاست کے امور سے ایک حُکم مخالفِ شرعِ متین ثابت ہوتا ہے اور ہر معاملے میں معاملات بنی آدم سے دین کے مقابل ایک اصل قائم ہو جاتا ہے۔ پس

ملتِ مصطفوی کے مقابل ایک اور ملت برپا اور طریقۂ نبوی کے مقابل ایک اور طریقہ برملا ہو جاتا ہے۔ آئینِ سلطانی احکامِ ربانی کے مخالف اور قوانینِ شاہی مخالفِ شرعِ ایمانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ بہت چیزیں جو شرعِ ربانی میں حرام ہیں، آئینِ سلطانی میں حلال ہو جاتی ہیں اور ایسے ہی کئی حلال، حرام ہو جاتے ہیں۔ مثلاً لفظ شاہِ شاہاں، خداوندِ جہان و جہانیاں، حضورِ اقدس، عرش آشیانی، بندۂ خاص، پرستار با اختصاص، قلم قدر توام کا اطلاق اور امرا کا دست بستہ و سرنگوں کھڑا ہونا، رقص و سرود کی مجلس قائم کرنا، جشن و عید کے ایام میں ریشمی لباس پہننا، سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال کفّار کے ایامِ جشن و عید میں فرحت کا اظہار، جیساکہ نوروز، و مہرجان، ہولی، دیوالی وغیرہ ہزاروں متقدمات و بے شمار معاملات یہ سب شرعِ ربانی میں حرام ہیں مگر آئینِ سلطانی میں واجب الاہتمام ہو جائیں۔ اور السلام علیکم اور اس کا جواب، حضورِ جماعات، حسنِ معاشرت، بندگانِ خدا کے ساتھ خوش خلقی، ہر مسلمان کے ساتھ مصافحہ و معانقہ کرنا، ہر وضیع و شریف کی دعوت کا قبول کرنا، تمام اہلِ اسلام کے ساتھ سلوک رکھنا، حجِ کعبہ، خدمتِ اولیاء اللہ، مجالس علم و ذکر سے فیضیاب ہونا، امیر و غریب کی مخالفت نہ کرنا اور حاجت مند کی حاجت روا کرنا وغیرہ یہ سب امور شرعِ ربانی میں مامور ہیں مگر آئینِ سلطانی میں ممنوع ہو جائیں۔ تجارت کے مال سے زکوٰۃ کی قدر سے زائد محصول لینا اور ہر دریا کے گھاٹ، جنگل کے راستے اور شہر کے دروازوں پر مسافروں کی دار و گیر اور مال حاصل کرنے کے لیے تند خو مردم آزار آدمیوں کا پہرہ لگانا وغیرہ یہ سب امور شرعِ ربانی کے مخالف ہیں مگر آئینِ سلطانی کے موافق۔ اور بہت سے جرم ہیں جن کی تعزیر شرعِ ربانی میں اور

ہے مگر آئینِ سلطانی میں اَور۔ چوری کی حد شرع میں ہاتھ کاٹنا ہے اور قانونِ سلطانی میں قتل یا قید۔ بادشاہ کے بھائی متروکۂ پدر میں بحکمِ شرع شریک ہیں مگر بادشاہ انہیں محروم کر دے۔ بیت المال کا تمام مال شرع میں مسلمانوں کا حق ہے لیکن، قانون میں اس کا مالک بادشاہ بن جاتا ہے۔

آئینِ اکبری الغرض آئینِ سلطانی بہت طویل وعریض ہے جو شریعت کے مقابل رنگا رنگ احکام اور گوناگوں اصول پر حاوی ہو سکتا ہے اور اس کا علم و تعلیم ارکینِ سلطنت و اساطینِ مملکت کے درمیان مروّج ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مشفق باپ اپنے بیٹوں کو تربیت کے لیے اس فن کے اُستاد متعین کرتے ہیں اور بتدریج وُہ استاد اس فن کی تعلیم دیتے ہیں اور وُہ اِس تعلیم کو ان کے کمالات و مفاخر سے سمجھتے ہیں۔ اِس طرح سلطنت و مملکت کے ترقی خواہ و خیر خواہ جو تحریر و تقریر کی صنعت میں قوتِ لسانی و براعت بیانی رکھتے ہیں اس کی طرف ترغیب دیتے ہیں اور اس فن میں کُتب اور رسائل تالیف کرتے ہیں اور انہیں ذکرِ شواہد و دلائل سے پایۂ اثبات تک پہنچاتے ہیں جیسا کہ ایک رسالہ ریشمی لباس کے حلال ہونے میں مشہور اور سلاطین کے واسطے سجدے کے مسئلہ کی تجویز میں مشہور ہے۔ اور اسی فن میں "آئینِ اکبری" ایک مبسوط کتاب ہے اور اس کے اصول "دینِ الٰہی" سے موسوم اور دبستانِ مذاہب میں مفہوم ہیں۔

مخالفت اسلام الغرض یہ سُلطانی سیاست ایک مذہب، مذہب اِسلام کے خلاف اور ایک ملّت، ملّتِ سیّدالانام کے سوا ہے جیسا کہ دُوسرے تمام باطل مذاہب مثلاً ہنود و مجوس، شیعہ و خوارج کی طرح نہیں کیونکہ یہ ہر دو مذہب بھی اگرچہ فی الحقیقت باطل ہیں لیکن ان کا دعوےٰ ہے کہ ہمارا مذہب

کتاب و سُنّت سے ماخوذ ہے۔ بخلاف آئینِ سُلطانی کے کہ وہ اپنے احکام کو کتاب و سُنّت سے مُستفاد نہیں جانتے۔ بلکہ اسے محض قیامِ سلطنت و انتظامِ مملکت کے لیے حکمِ عقلی خیال کرتے ہیں۔ پس فی الحقیقت ان کا طریقہ مذہبِ فلاسفہ کا ایک شعبہ ہے۔ ملّتِ اسلامیہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

گمُراہ امام سے خوف | چُنانچہ پیغمبرِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلّم نے اِن گمُراہ سلاطین کے وجود سے خبر دی ہے۔ فرمایا :۔

انما اخاف علیٰ امتی الائمۃ المضلین وروی ان حذیفۃ قال قلت یارسول اللہ ایکون بعد ھذا الخیر شرٌ کما کان قبلہ شر قال نعم قلت فما العصمۃ قال السیف قال ھل بعدہ للسیف بقیۃ قال نعم تکون امارۃٌ علیٰ اقذاء وھدنۃ علیٰ دخن قلت ثم ماذا قال ثم ینشاء دعاۃ الضلال وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون فتنۃ عمیاء صماء دعاۃ علیٰ ابواب النار۔

اپنی اُمّت میں گمُراہ اماموں کے ہونے سے مَیں خوف کرتا ہوں۔ اور مروی ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ مَیں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا اِس بھلائی کے بعد بُرائی ہوگی جیسے اس سے پہلے تھی فرمایا ہاں۔ پھر عرض کیا کہ بچاؤ کیا ہے۔ فرمایا تلوار۔ پھر عرض کیا۔ تلوار کے بعد کیا ہوگا؟ فرمایا آمارت کینوں کی ہوگی اور قتل کثرت سے۔ پھر عرض کیا کہ پھر کیا ہوگا۔ فرمایا پھر گمُراہی کی طرف بُلانے والے پیدا ہوں گے اور فرمایا کہ فِتنہ بھرا گونگا ہوگا اور اس پر آگ کی طرف بُلانے والے ہونگے۔

اگرچہ ایسے بادشاہ فی الحقیقت قبیلِ کُفّار اور جنسِ اہلِ نار سے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ اپنی زبان سے اِسلام کا دعوےٰ رکھتے ہیں پس ان کا کفر پوشیدہ اور ایمان ظاہر ہے۔ اِس ظاہری دعوے کی تصدیق کی شاہد رسومِ اِسلام جیسا کہ لڑکیوں کا نکاح، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ کے دِن اظہارِ تجمّل، تجہیز و تکفین، نماز

جنازہ اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن اپنے پر جاری رکھتے ہیں۔ اور شرعِ ربّانی
سے بالکل دست بردار نہیں ہوتے۔ ہاں آئینِ سلطانی کو اپنے اور اپنے
ملازموں کے حق میں واجب العمل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے محاورات میں آئین
کو شریعت میں ملاکر تلفظ میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہر چند
شرع اصل ہے لیکن سیاست کے باب میں شرع کے ساتھ مروجہ
قانون بھی چاہیے اور طورہ سے مراد آئین چنگیز خان ہے (یا موجود
حکومت۔ مترجم)

پس اسی بنا پر اسلام کا دعوے جو ظاہراً ان کی زبان سے نکلتا ہے
ان کو صریح کفر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ مخفی کفر بھی مواخذۂ اُخروی کے لیے
کافی ہے۔ لیکن ظاہری اسلام اس امر کا مقتضی ہے کہ ان کے ساتھ دینی
احکام میں مسلمانوں کے معاملات عمل میں لائیں اور انہیں بھی معاملات
میں مسلمان سمجھیں۔ گو وہ آخرت میں کفّار اشرار کے ساتھ درکاتِ نار میں
ہمیشہ رہیں گے اور ربّ القدیر کی دار وگیر سے ابدالآباد تک خلاصی نہ پائیں
گے یا رحمتِ الٰہی کی وسعت ان کی دستگیری کر کے خواہ عذاب سے پہلے
ہی یا عذاب کے بعد مغفرت کر دے۔ الغرض ان کی آخرت کا حال علام الغیوب
کے سپرد کر دیں اور مسلمین کے معاملے میں احکامِ معاش عمل میں لائیں۔
گمراہ سلطان دو قسم کے ہیں:۔ اوّل متمرد، دوم مقلد۔

سلطانِ مقلّد تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب سلطانی آئین
مذہب کے مقابل جاری ہو کر شہرت تک پہنچ جائے تو اگرچہ بعض متاخرین
سلطان اپنی جبلت کے مطابق عیش و نشاط کی طرف راغب اور تکبر و تجبّر
کے طالب نہیں ہوتے۔ لیکن آئینِ اسلاف کی اعانت کی بنا پر محض رسم و

عادت سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں۔ اگرچہ دل میں اسے مکروہ جانیں اور بعض اس طریقے کے غلط ہونے سے آگاہ بھی ہو جائیں۔ لیکن پھر بھی چاروناچار اسی راہ پر جاتے ہیں۔ کیونکہ قوانینِ دیانت کی پاسداری کی نسبت آئینِ ریاست کی رعایت، اور محبّتِ ذوالجلال کی نسبت حُبِّ جاہ ومال، اور احکامِ ربّ العزّت کی نسبت مملکت کے منصب کی پاسداری ان پر غالب ہوتی ہے۔ ایسے سلاطین کو سلاطینِ مقلّدین کہتے ہیں۔

سُلطانِ متمرّد اِن سلاطین سے بعض باعتبار اصل خلقت کے بھی امور مذکورہ کی طرف مائل اور ایمان کی حقیقت سے بالکل غافل ہوتے ہیں۔ جب آئینِ اسلاف ان کی جبلّی رغبت سے مل جائے تو ان کے عیش وتجبّر کو دوبالا کر دیتا ہے پس آئینِ اسلاف کی رعایت اِن سے بوجہ اتم ہوتی ہے بلکہ ان سے اس کی رونق کمال تک پہنچ جاتی ہے گویا کہ اسے اِس ملّت کے مجتہدین میں سے کہہ سکتے ہیں اور اس طریقے کے مجددین کے سلک میں پرو سکتے ہیں۔ اس کو متمرّد سُلطان کہتے ہیں۔ اور اس مقام میں چند لطیفے ہیں جو چند نکات کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں۔

نُکتہ اوّل گمراہ سلطان اگرچہ رئیس المفسدین وامام المبتدعین ہے اور اس کی ریاست دین کے لیے سمِ قاتل اور اس کی امامت بحکم کتاب وسُنّت بالکل باطل ہے۔ لیکن جبکہ معاملۂ اسلام اس سے وابستہ ہے تو اس کی تکفیر مشکوک ہے اِس لیے اس کی بغاوت کا اظہار اور اس کی اطاعت سے نکلنا بھی مسائل اختلافیہ میں سے ہے۔ پس محتاط آدمی کو لازم ہے کہ اِس امر کا اقدام نہ کرے۔ اور دوسرے کو اس کے اقدام پر ملامت نہ کرے۔ یعنی آپ بغاوت وخروج نہ کرے اور اگر کوئی اور کرے

تو اسے طعن و ملامت نہ کرے۔ جیسا کہ اہل سُنّت کے اکثر علماء روافض کے قتل و غارت کے مُرتکب نہیں ہوتے اور اس کے مجوزّین علماء ماوراءالنہر پر اعتراض نہیں کرتے۔ چونکہ سلاطینِ مفضّلین کی بغاوت و خروج احتیاطاً ممنوع ہے تو ضرور ان کی سلطنت بھی اقسام امامت میں معدود ہے۔

نُکتہ دوم سُلطانِ متقلّد ملّتِ اسلام کے قریب ہے۔ پس اس کی منازعت و مخالفت میں احتیاط واجب ہے۔ اگر اس کے ساتھ منازعت کی اور اس کی متابعت سے دستبردار ہُوا، اگرچہ ظاہر شرع میں مطعون نہ ہوگا لیکن یہ عمل مصلحتِ وقت کے خلاف ہے۔ ہاں اُس وقت اس کی مخالفت ضروری ہے جبکہ اُس کی ریاست کے برباد ہو جانے کے بعد خلافتِ راشدہ یا سلطنتِ عادلہ کا قیام یقینی ہو۔ پس اِس صورت میں قتل و قتال کے لیے میدان میں آنا اور بدعتی گمراہ کو ذلیل و رُسوا کرنا ملّت اور اہل ملّت کے لیے نفع بخش ثابت ہوگا۔ ورنہ خواص و عوام اس کی مضرت سے محفوظ نہیں ہونگے۔

سلطنتِ کفر۔ درجہ چہارم

سلطنتِ کُفر سے مُراد اس جگہ کُفّار کی حکومت نہیں ہے۔ بلکہ اِس سے مقصود وہ قوم ہے جو اپنے کو گروہِ مُسلمین سے جانے اور صریح موجباتِ کُفر عمل میں لائے۔ اور اس سے احکام شرع کی مخالفت و عناد اِس قدر ظاہر ہو کہ اِس پر کُفر و ارتداد کا حُکم ثابت ہو جائے جیسا کہ بعض اشخاص کی سرشت ہی مُلحد مزاج و زندیق طبع ہوتی ہے اگرچہ وہ مُسلمان کہلاتے ہیں۔

لیکن حقیقت میں خدا و رسول، دین و مذہب اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے اسی دُنیا وی نشیب و فراز کو سعادت و شقاوت سمجھتے اور اسی جاہ وحشم اور مال و متاع کے حاصل کرنے کو اصل کمال جانتے ہیں۔ جو شخص مذکورہ افعال میں مشغول ہو وہی ان کے نزدیک ذکی و عاقل ہے اور جو کوئی اِن باتوں سے محترز اور غیر ملتفت ہو وہ ان کے نزدیک غبی و جاہل ہے۔ جو چیز دُنیائے دُوں کے حاصل کرنے کا باعث نہ ہو، وُہ ان کے نزدیک لغو اور باطل، اور جو محنت نام و نشان کے حصول کا ثمر نہ ہو، وہ رنج بے حاصل ہے پس انبیاء اللہ اور تمام ہادیانِ راہِ حق کو عقلائے جاہ طلب کی جنس میں سے سمجھتے ہیں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو سخن ہائے احمق فریب پر مغرور

ہونے والے بے وقوف سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان کے وعدوں پر فریفتہ ہیں۔ اور تمام اقوال و افعال میں سُنّت و ملت کی رعایت کو حماقت شمار کرتے اور عادات و معاملات میں مذہب کی قید کو کمینہ پن جانتے ہیں اور عبادات میں رنج و تکلیف کا اُٹھانا ان کے نزدیک محض نادانی اور توکّل عجز و ناتوانی ہے۔ پس جب ایسے شخص منصبِ سلطنت تک پہنچتے اور تختِ سلطنت پر قائم ہو جاتے ہیں۔ تو آئینِ سُلطانی کو جو بظاہر رونقِ سلطنت کی زیادتی کا باعث ہوتی ہے اپنی فراست و عقل کے مطابق جانتے ہیں۔ اور شرعِ ربّانی جو ان کے نزدیک بے حاصل ہے اسے کمینوں کی رسوم خیال کرتے ہیں پھر بے خوف ہو کر اس پر طعن کی زبان دراز کرتے ہیں اور اسے مُلازموں کی نظر میں حقیر بناتے ہیں۔ اور کئی حیلوں سے اس کی بیخ کنی کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے اعراض کرنے کی راہ ڈھونڈتے ہیں۔ ہر بات میں قانونِ سلطانی کے حُکم کو ترجیح دیتے اور شریعت ربّانی

کے احکام کی سفاہت بیان کرتے ہیں۔ اور قانون سُلطانی کے منافع کو چرب زبانی سے بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے ضرر کو فریب کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ الغرض ان کے ہر کلام میں ملّتِ ربّ العالمین پر رمز اور سُنّت سیّد المرسلین پر طنز ہوتی ہے۔ کبھی اپنے کلام کو یاوہ گو شعراء کے اشعار کے ساتھ ملاتے اور کبھی علمائے جاہ طلب کی تشبیہات سے بیان کرتے ہیں۔ اور کبھی اپنے دعوے کو فلاسفہ کے کلام سے اور کبھی ملاحدہ کے رموز سے مدلّل بناتے ہیں۔

پس اس قسم کے سلاطین بے شک کُفار متمرّدین اور زندیق مُرتدین سے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد ارکان اِسلام میں سے ہے اور ان کی اہانت سیّد الانام کی اعانت ہے۔ ان کی سلطنت ہرگز امامتِ حُکمیہ اور ان کی اطاعت کسی وجہ سے بھی اوامرِ شرعیہ سے نہیں۔ جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

انہٗ قال بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علیٰ ان لا تنازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا عند کم من اللّٰہ فیہ برھان "

اُنہوں نے فرمایا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس امر پر بیعت کی تھی کہ ہم اولی الامر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر جب تم ان سے صریح کُفر دیکھو تو منازعت جائز ہو گی۔ جو کہ اللہ کی طرف سے اِس میں تمہارے لیے دلیل بھی ہو۔

اور بعض اوقات اِس مُرتد سُلطان کو خیال گزرتا ہے کہ جس قدر عوام اتباعِ سیّد المرسلین میں سعی کرتے ہیں اور اسے کمالِ سعادت سمجھتے

ہیں۔ اِس قدر اتباعِ سلاطین میں سرگرم نہیں ہوتے بلکہ اکثر لوگ اِس امر کو ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ تو اِسی بناء پر وہ سلطنت کے ساتھ دعوائے نبوّت بھی کر دیتا ہے۔ تاکہ عاقل لوگ جاہ و جلال کی طمع سے اور بے وقوف دُور اندیشی کی بنا پر اطاعت اختیار کر لیں۔ پس برملا نبوّت کا دعوےٰ کر کے ایک نئی ملّت برپا کر دیتا ہے۔ اور اکثر تجبّر و تکبّر سلطنت کی بناء پر دعوے نبوّت کے ساتھ الوہیّت کا دعویٰ بھی کر دیتے ہیں تو ان کا کُفر پھر فرعون کے کُفر سے بھی بالاتر ہو جاتا ہے۔ ایسی سلطنت مُرتد کا قیام بمشابہ غلبہ کُفّار ہے مُسلمین پر فرض عین ہے کہ اُس پر جہاد قائم کریں اور یہ شور و فساد بزورِ شمشیر بٹھا دیں۔ اور اگر یہ نہ کر سکیں تو اس ولایت سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں چلے جائیں۔

اِس مقام پر سلطنتِ ارتداد کا ذکر باوجودیکہ یہ قسم اقسام امامتِ حکمیہ کے لیے موضوع اور ان اقسام مذکورۂ سلطنت سے خارج ہے محض اِس امر کی بنا پر مذکور ہُوا کہ مدعیانِ اسلام کے درمیان کبھی کوئی ایسا سُلطان ہوتا ہے جو محض کُفّارِ اشرار اور مُرتدینِ الحاد شعار سے ہوتا ہے۔ اِس کی بیخ کنی کرنا عین انتظام اور اس کا ہلاک کرنا عین اسلام ہے۔ کیونکہ ہر متسلّط حاکم کی اطاعت احکامِ شرعیہ میں سے نہیں اور نہ ہر جابر کی تابعداری ہی احکامِ دینیہ میں سے ہے۔

خاتمہ

لفظِ امام سے مُراد

اِس کتاب میں لفظ امام سے مُراد مطلق "امام" نہیں ہے بلکہ وہ امام ہے جس کا تعلق سیاست سے ہو۔ پس صاحبانِ امامتِ خفیہ مثلاً قطب، ابدال اور اربابِ باطنہ مختصہ یعنی مبعوثین برائے ہدایت وارشاد اِس کتاب کی بحث سے خارج ہیں۔ ان کا ذِکر محض تیمن وتبرک کی بناء پر اِس قسم کے شروع میں مذکور ہُوا۔ پس امام سے مُراد صاحبِ سیاست ہے نہ کہ خاص خلیفۂ راشد کہ وہ مشابہ اکسیر اعظم کے نادر الوجود اور کبریتِ احمر ہے جو اکثر زمانے میں مفقود ہے نہ مُطلق صاحبِ سیاست، کیونکہ ہر فاسق و بدکار اس میں داخل اور ہر ظالم ستمگار اور خونخوار، ہر جبار مُرید اور ہر گمراہ بد آئین، ہر مُلحد بے دین اِس میں شامل ہے۔ کیونکہ اِن سلاطین کی مضرت دین وملّت کے لیے ان کی منفعت سے بہت زیادہ ہے اور ان کی موافقت اکابرِ ملّت کے واسطے ان کی مخالفت سے بہت بعید ہے۔ بلکہ اِس مقام پر "امام" سے مُراد "صاحبِ دعوت" ہے۔ جس نے جہاد کا جھنڈا اعدائے دین پر بلند کیا اور تمام مُسلمانوں کو اِس معرکے میں بلایا اور شرعِ مبین کی اعانت پر کمر باندھی، سیاستِ دین کی مسند پر بیٹھا۔ سوائے ملّت کے مذہب کے دُوسرا مذہب نہ پکڑا اور طریقۂ سُنّت کے سوا دُوسرا طریقہ اختیار نہ کیا۔ عدالت وسیاست میں آئینِ نبویؐ کے سوا کوئی دُوسرا طریقہ نہ بنایا۔ قوانینِ مُصطفوی کے سوا دُوسرا قانون نہ

چھانٹا، مصالحت و منازعت میں دین کی موافقت و مخالفت کے سوا کوئی وجہ نہ نکالی۔ پس یہی صاحب دعوت ہے۔ جو یہاں مُراد ہے۔ خواہ اِن باتوں میں وُہ صاحبِ دعوت ریاکار ہو یا مُخلص اور اپنے ذاتی معاملات میں مردُود الافعال ہو یا محمود الاعمال، ایسے امور سے اِس مقام پر کوئی غرض نہیں۔

اِس اجمال کی تفصیل اور اِس مقالے کی تشریح دو تنبیہوں کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے۔

تنبیہ اوّل

تشریح مفہوم صاحبِ دعوت

ریاست و سیاست کے دو باب ہیں۔ اوّل صُلح اور جنگ مخالفین کے ساتھ۔ دوم نظم و نسق موافقین کے ساتھ۔

اِنہی دونوں باتوں میں صاحبِ دعوۃ تمام اصحابِ سیاست سے امتیاز رکھتا ہے۔ اگرچہ اُن اعمال و افعال میں جن کا اِس کی ذات سے اختصاص ہو، دُوسروں سے کوئی امتیاز نہ رکھتا ہو:

(۱) **صلح و جنگ** اِس مقام کی تحقیق ایک مقدّمے کی تمہید پر موقوف ہے۔ تفصیل اِس کی یُوں ہے کہ جو کوئی کسی دُوسرے پر لشکر کشی کرتا، اور کسی قوم سے اپنی رفاقت چاہتا ہے تو ضرور وقوعِ منازعت کے لیے کوئی سبب مقرر کرتا ہے اور ان کی رفاقت حاصل کرنے کے لیے

کوئی وجہ انہیں سمجھا دیتا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں منازعت کا سبب کوئی دوسرا ہو اور رفاقت کی وجہ کوئی اَور۔ لیکن ظاہر میں تمام قیل و قال انہی اسباب کے اثبات و ابطال سے ہوتی ہے۔ اور ہر خاص و عام میں وہی وجہ مشہور ہو جاتی ہے۔ مثلاً زید، عمرو کے ساتھ منازعت کے لیے اُٹھا اور بکر کیساتھ اپنی رفاقت چاہتا ہے اور منازعت کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے باپ کے متروکے پر غالب و قابض ہُوا۔ اور بکر سے رفاقت کی یہ وجہ سمجھائی کہ تو میرے قرابت داروں میں سے ہے اور عمرو غیروں میں سے۔ پس ہر چند ممکن ہے کہ منازعت کے برپا ہونے کا سبب فی الحقیقت غلبۂ مذکور کے ساتھ کچھ اَور ہو۔ کیونکہ بعض اوقات مدت بعید کے بعد وہ غلبہ متحقق ہُوا اور زید اس تمام مدت میں ساکت رہا ہو لیکن پھر کوئی نیا امر پیدا ہو جائے جس سے منازعت قدیمہ ظہور پذیر ہو جائے۔ مثلاً عمرو سے زید کی نسبت کوئی تحقیر یا سبّ و شتم صادر ہو جس سے کینۂ دیرینہ جوش زن ہُوا ہو۔ لیکن بظاہر وہی غلبے اور قبضے کا دعویٰ ظاہر ہُوا اور یہی سبب منازعت کا پیدا ہُوا۔ اور پھر تمام اثبات و ابطال اسی طرف متوجہ اور تمام بحث و جدال اسی میں متحقق ہُوا۔

الغرض اس منازعت میں یہی ظاہری سبب پیش نظر ہے نہ کہ سبب خفی۔ اس لیے ہر دُور و نزدیک اور اجنبی و قریب کی زبان پر یہی ظاہری سبب جاری رہا ہے نہ کہ اس مخفی سبب کا ذکر۔ پس تمام خاص و عام یہی کہتے ہیں کہ زید اپنے باپ کے ترکے کی طلب میں عمرو سے منازعت کرتا ہے نہ یہ کہ اس کے سبّ و شتم کی وجہ سے اس کے ساتھ برسرِ پیکار ہے۔ جو کوئی زید کو الزام دینا چاہے اسی وجہ سے دے گا کہ تیرے باپ کا متروکہ

عمرو کے ہاتھ میں نہیں تو کیوں اِس سے جھگڑا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہے گا کہ
اس نے تجھے گالیاں نہیں دیں تو اس کی مخالفت نہ کر۔ اور ایسا ہی اگر کوئی
عمرو کو الزام دے گا تو اسی وجہ سے دے گا کہ تو زید کے باپ کا ترکہ کیوں اسے
نہیں دیتا۔ یہ نہ کہے گا کہ تو اسے گالیاں کیوں دیتا ہے۔ اور ایسا ہی تمام
آدمیوں کے درمیان یہی ذکر جاری ہوگا کہ کس قدر ظالم ہے کہ زید کے باپ
کا ترکہ اس نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ یہ نہ ہوگا کہ کیسا بدزبان ہے جو زید
کو گالیاں دیتا ہے اور اسی طرح ممکن ہے کہ زید کے ساتھ رفاقت کا سبب
حصولِ مال کا طمع یا خوفِ ملال ہو لیکن خواص و عوام میں یہی مشہور ہوگا کہ
بکر نے قرابت کی وجہ سے زید کے ساتھ رفاقت اختیار کی ہے۔ بلکہ بکر بھی
یہی وجہ ظاہر کرے گا کہ میں کس طرح اِس سے رفاقت نہ کروں جب کہ
وہ میرا قرابت دار ہے؛

مدار ظواہر پر ہے جب اِس مقدمے کی تمہید ہو چکی تو سمجھ لو کہ
اِس مقام پر ظاہری اسباب اور وجوہ سے مُراد ہے۔ خُفیہ اسباب اور
وجوہ سے غرض نہیں۔ یعنی صاحب دعوة کا امتیاز اس کے غیر سے انہیں
اسباب منازعت اور وجوہ رفاقت کے ساتھ ہوتا ہے۔ حقیقت میں اس
کی نیّت خواہ کیسی ہو۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جو لوگ اہل ریاست و سیاست
سے منازعت کرتے اور کسی قوم سے رفاقت ڈھونڈھتے ہیں تو ضرور
منازعت اور رفاقت کے لیے کوئی سبب یا وجوہ ظاہر کرتے ہیں۔ پس وہ
اسباب و وجوہ یا تو مقدمات دُنیویہ کے جنس میں سے ہوں گے۔ جس کا بیان
یوں ہے کہ دُنیوی اسباب و وجوہ مملکت موروثہ کے طلب کرنے کے مانند
ہے جو سلاطینِ اسلاف کے شہزادوں سے ظاہر ہوتی ہے جن کے خاندان

سے ان کی مملکت گم ہو کر دوسروں کے ہاتھ جا پڑی ہو تو ایک مدت گزر جانے کے بعد بلند ہمت شاہزادے سر اُٹھاتے ہیں اور اپنی موروثہ مملکت کا دعوے کرتے ہیں۔ گویا منازعت کے برپا ہونے کا سبب اِس سلطان زماں کا ان شہزادوں کے اسلاف کی مملکت پر غلبہ ہے۔ اِس بناء پر وہ شہزادے اپنے اسلاف کی مملکت طلب کرنے کے لیے اُٹھتے اور اپنے حقِ قدیم کو پایۂ ثبوت تک پہنچاتے ہیں۔ اِسی سبب سے تمام جہاں میں تمام بنی آدم کی زبان پر مشہور ہو جاتا ہے کہ فلاں شہزادہ اپنے اسلاف کی مملکت لینے کے لیے اُٹھا اور اپنے حق کو غالب سلاطین سے طلب کیا۔ اور وہ شہزادہ جن کو اپنا رفیق بناتا ہے اُنہیں کئی وجوہ بتاتا ہے۔ بعض کو اپنے خاندان کے ہی خواہوں میں سے بتاتا ہے اور بعض کو مناصبِ جلیلہ و اموالِ کثیرہ سے بہت فائدہ حاصل کرنے کی اُمید دلاتا ہے بعض کو نوکری کے واسطے سے پکڑتا ہے اور ان سے محض یہی ظاہری خدمت قبول کرتا ہے اور ان کو نمک حلالی کے منافع اور نمک حرامی کے ضرر بتاتا ہے اور انہی باتوں کو ان کے ذہنوں میں پایۂ ثبوت تک پہنچاتا ہے۔ ایسی ہی وجوہات وغیرہ ان کی رفاقت کا باعث ہو جاتی ہیں۔ اور یہی ہر خاص و عام میں مشہور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہر شخص یہی کہتا ہے کہ ہی خواہانِ قدیمی، دولت جویانِ ابدی، خدمت گذار نوکروں اور شجاعت شعار ملازموں کا لشکر اس کے ہمراہ جمع ہُوا۔ جو کوئی جاتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ مَیں قدیمی خانہ زاد اور طالب ملازمت ہوں۔ اور جو کوئی اس کی رفاقت اختیار نہیں کرتا وہ یہی عذر پیش کرتا ہے کہ مَیں نہ تو فدویانِ قدیمی میں سے ہوں اور نہ طالبِ ملازمت۔ مجھے اس کی رفاقت اختیار کرنے میں کوئی امر مثلاً ظالم کے ظلم یا فاسد کے فساد رفع کرنے کا سبب نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ شاہانِ اولوالعزم میں سے کوئی

لشکر کشی کر کے کسی قوم پر پہنچا تا کہ ان کے شہروں اور علاقوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لے اور انہیں اپنی رعایا میں شمار کرے اور ان سے مال و متاع حاصل کرے اور ان پر اپنا بنایا ہُوا قانون نافذ کرے۔ تو اس کے فساد کو دور کرنے کے لیے اِس قوم کے رئیس جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے ساتھ جنگ کرتے اور دُوسری قوموں سے مدد طلب کرتے اور رفاقت پیدا کرتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ ان کی منازعت کا سبب اس کی تعدّی کا دفع کرنا اور دوُسری قوموں سے رفاقت کی وجہ قرابت اور اس علاقے کی برادری ظاہر کی جاتی ہے اور اس کو رفاقت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ اور کبھی معاوضہ و مبادلہ ہوتا ہے کہ ہم نے بھی ایسے وقت میں تمہاری اعانت کی تھی اور اسی سابقہ اعانت و رفاقت کے عوض اب ان سے اعانت و رفاقت چاہتے ہیں یا اِس رفاقت کی وجہ فساد کا دروازہ بند کرنا ہوتا ہے کہ اگرچہ اب اِس قوم کو جس سے رفاقت چاہتے ہیں۔ اِس ظالم متعدّی کے ہاتھوں کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ لیکن یہ قوم اِس قوم کو یہ بات سمجھاتی ہے کہ جیسا کہ آج ہمارے سر پر انہوں نے چڑھائی کی ہے اِسی طرح کل تم پر چڑھائی کر دیں گے۔ اور جو تکلیف آج ہمارے سر پر لائی گئی ہے کل تم پر بھی لائیں گے۔ پس بہتر یہی ہے کہ ہم اور تُم مل کر پہلے ہی اِس فتنے کا دروازہ بند کر دیں اور اس کو اس تعدّی اور زیادتی کی سزا دیں۔

الغرض اِس قسم کے اسباب و وجوہ جمعیت عساکر صغیر و کبیر کے فراہم کرنے کے لیے مہیّا کرتے ہیں اور ہر شخص خواہ اس کے دل میں اور ہی اسباب و وجوہ مخفی ہوں۔ لیکن انہی کو بیان کرتا ہے مثلاً اگرچہ اس کے دِل میں طمع مال یا کینہ یا حسد وغیرہ ہو۔

رہے دینی اسباب و وجوہ سو ان کی تفصیل یوں ہے :۔

ایک شخص کفار سے جہاد کے لیے اُٹھا اور تمام مسلمانوں سے رفاقت چاہی اور مخالفت کا سبب اپنی دینی مخالفت ظاہر کی اور رفاقت کی وجہ بھی یہی دینی موافقت بیان فرمائی۔ یہی بات تمام جہان میں مشہور اور بنی آدم کی زبان پر جاری ہوئی کہ فلاں شخص حمایتِ دین کے لیے اُٹھا ہے اور کفار سے جنگ کرنا چاہتا ہے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ان سے منازعت کرتا ہے۔ پس تمام اہلِ اسلام نے باوجود اختلاف اقوام کے مدعائے حمیت دین اور اظہار غیرت شرع متین کے لیے اس کی رفاقت اختیار کی اور اس کی مدد کرنا فرض عین سمجھا۔ اور وہ جس کسی کو بُلاتا ہے اسی وجہ سے بُلاتا ہے کہ میں مسلم ہوں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کوشاں ہوں۔ تم بھی اسلام کا دعوے رکھتے ہو۔ اس سعادت میں شریک ہو جاؤ۔ اور جو کوئی اس حلقے میں داخل ہوتا ہے زبان سے یہی ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اہلِ دین فلاں شخص کی زمرۂ رفاقت میں جمع ہو کر کفار پر چڑھے ہیں۔ اس لیے ہم بھی خدمتِ دین کی بناء پر اس سے شریک ہوتے اور دُور و نزدیک کا سفر کرتے ہیں۔ اور جو کوئی اپنی مجلسوں اور محفلوں میں اس بات کا ذکر کرتا ہے۔ یہی کہتا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں شخص کے ہمراہ کفار کی بیخ کنی کے لیے مسلمان جمع ہوئے اور ان کی جمعیت اس قدر ہے۔

پس جس وقت دین کا ذکر اور خدمت، مخالفت و موافقت کے ذریعے کسی سے ظاہر ہو تو اس باب میں یہی صاحب دعوۃ ہے اور بحکم رب العزت واجب الاتباع ہے۔ نیت کی تفتیش بحکمِ سُنّت ممنوع

اور اس کا ظاہری دعویٰ ظاہر شرع میں قبول ہے ؎

(۲) **نظم و نسق** اِس کی بہت قسمیں ہیں۔ مثلاً تحصیلِ اموال تعزیرِ افعال، جھگڑوں کے فیصلے، اور حاجت مندوں کی داد رسی وغیرہ۔ اور صاحبِ دعوت اِن تمام اقسام میں تمام اربابِ سیاست کی نسبت امتیاز رکھتا ہے اور اس مقام کی وضاحت بھی ایک مقدمے کی تمہید پر موقوف ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

کوئی آدمی ریاست کے بارے میں دانا و ہوشیار اور مقدّماتِ سیاست میں عاقل و تجربہ کار ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ نظم و نسق کے اقسام میں خاص قاعدہ اور احقاقِ حق کے مقدمات میں ایسا قانون رکھے گا کہ جس وقت قیل و قال کا کلام اور اثبات و ابطال کی بحث اِس قانون پر پہنچے تو چار و ناچار طرفین کی گفتگو اسی پر ختم ہو جائے۔ اور پھر کسی کو اس پر مجالِ بحث و جدال نہ رہے۔ جو کوئی حیلے کرتا اور حق کو باطل کے ساتھ ملاتا ہے اس کا منتہائے مساعی یہی ہوتا ہے کہ فریب آمیز گفتگو اِس طرح پیش کرے کہ مذکورہ قانون مرتبۂ ظہور تک نہ پہنچے۔ لیکن جس وقت (مذکورہ قانون) مرتبۂ ثبوت کو پہنچ گیا تو تمام سخن سازی اور حیلہ بازی منقطع ہو جاتی ہے۔ مثلاً زید نے عمرو پر یک صد روپے کا دعوےٰ کیا اور عمرو اس کے ساتھ ردّ و انکار کی وجوہ پیش کرتا ہے۔ پس قبول و اقرار یا ردّ و انکار کا وقت تب تک ہے جب تک کہ خریداری یا روپیہ دینے کا معاملہ ثابت نہ ہو جائے اور اس کا ثبوت بیّن نہ مل سکے۔ یہ تمام چرب زبانی اور خوش بیانی اسی لیے ہے کہ معاملۂ مذکور پایۂ ثبوت کو نہ پہنچے۔ لیکن معاملۂ مذکورہ کے ثبوت کے بعد کسی کو یہ بات کہنے کی مجال نہیں کہ

"گو میں نے خریداری کا معاملہ کیا ہے لیکن خریدی ہوئی چیز کی قیمت میرے ذمے نہیں ہے۔ یا مبلغات مطلوبہ میں نے بطور قرض لیے تھے لیکن ان کا ادا کرنا مجھ پر واجب نہیں۔ یعنی میں اس قانون کو تسلیم نہیں کرتا کہ مبیع کی قیمت واجب الادا یا قرضے کا ادا کرنا واجب الایفاء ہے"۔ جس کسی سے ایسا کلام صادر ہو اُس کو بے اعتبار پاگل یا ظالم سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کے

کلام کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ اور کسی عاقل و جاہل کے نزدیک اِس کی یہ بات مقبول نہیں۔ اگر حاکمِ وقت بھی طمعِ مال کی بنا پر یا قرابت و دوستداری کی پاسداری کے خیال سے عمرو کے قول کی تائید کرے گا تو اسی بات میں اس کی حمایت کر سکے گا کہ معاملۂ مذکورہ اگر فی الواقعہ ہوا ہو گا۔ لیکن مرتبۂ ثبوت تک نہیں پہنچا اور اہلِ محکمہ پر اس کا وقوع ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن اِس معاملے کے پایۂ ثبوت کو پہنچنے کے بعد حاکمِ وقت کو بھی اس کی تائید اور پاسداری کی مجال نہیں رہتی۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ رعایا میں سے کوئی شخص معاملۂ مذکور کو ثابت کر کے خود حاکم کو ملزم قرار دے کر اسے خاموش کر دے۔ الغرض قانون مذکور کے قبول کرنے میں رعایا بھی اور حاکمِ وقت بھی مجبور ہوتے ہیں۔ ہاں اس کے ثبوت میں حیلے کرنا اور حق کو باطل سے ملانا علیحدہ بات ہے۔

جب اِس مقدمے کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ ہر قوم کے پاس نظم و نسق کے ابواب میں مسلّم الثبوت آئین اور واجب الاذعان قوانین ہوتے ہیں کہ انھی قوانین و آئین کے احاطہ میں مکّارانِ سخن ساز کی حیلہ بازی اور حکامِ ہوا پرست کی جانب داری چلتی پھرتی ہے۔ لیکن اِس آئین کو خراب نہیں کر سکتے۔ اور نہ اِن قوانین ہی کو جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں۔ اور کبھی اس کے احاطے سے قدم باہر نہیں رکھ سکتے۔ جو راستہ اس کے مخالف ہو

صراحتاً اس کی طرف نہیں جاتے اور اس قانون کے ثبوت کا ان کے نزدیک بھی ایک مسلّم طریقہ ہوتا ہے۔ مثلاً معاملۂ دینداری کے ثبوت کے لیے اہلِ اسلام کے نزدیک یا گواہ ہوتے ہیں یا اقرار یا سند کتاب اللہ اور سُنّتِ نبوی یا اقوالِ مجتہدین سے ہوتی ہے۔ پس قوانینِ نظم و نسق کی اعانت میں یہ تینوں امر لازم ہوئے۔

اوّل۔ قانونِ مسلّم۔ دوم۔ اس کے ثبوت کے طریقے۔ سوم۔ اس کی سند۔

اور یہ تینوں امور اقوام اور مذاہب کے اختلاف کے سبب مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی قوم قانون بناتی ہے اور اس کے ثبوت کے لیے ایک طریقہ مقرر کرتی ہے اور اس کی سند کسی بادشاہ سلف سے پیش کرتی ہے۔ اور اسی بادشاہ کے قانون کو واجب العمل سمجھتی ہے۔ اور کوئی قوم قانون بناتی ہے تو اُس کے لیے دُوسرا طریقہ اختیار کرتی ہے اور اس کی سند ہوشیار داناؤں اور تجربہ کار عاقلوں کے کلام سے پیش کرتی ہے اور انھی احکامِ عقلیہ کو واجب الاتباع سمجھتی ہے۔ یعنی اگر عقل کہے کہ کارخانۂ سلطنت کے بندوبست اور نظم و نسق میں فلاں قانون پر عملدرآمد مفید ہے۔ تو اُن کے نزدیک وہی قانون واجب اور وہی آئین مسلّم ہے۔ پس ہر ایک قانون کے لیے سند اُن کے نزدیک یہی ہے کہ اس کے فوائد و منافع عیاں کریں۔

مگر ایک دُوسری قوم کسی اَور قانون کا اتباع کرتی ہے۔ اور اُس کے ثبوت کے لیے ایک اَور طریقہ پیشِ نظر رکھتی ہے۔ اور اُس کی سند ملّتِ مصطفوی اور سُنّتِ نبوی سے پیش کر کے انھی احکامِ ربّانی اور آئینِ ایمانی کو واجب الاتباع سمجھتی ہے۔ اور اگرچہ نئے قوانین کا مرتب کرنا عقلِ

بشری کے نزدیک نافع و مفید ہو، لیکن اُن کے نزدیک بدعاتِ مردُودہ اور مقرّرہ طریقے کے سوا کسی اور طریقے کا اجرا اختراعاتِ مطرودہ میں سے ہے۔ صرف عقلی باتیں اُن کے نزدیک نامسموع اور سلاطینِ اسلاف میں سے کسی کا اتباع اُن کے سامنے نامشروع ہوتا ہے۔ پس ان کے نزدیک سند صرف "شریعت"، ہی ہے اور بس۔ اور اُن کا دعویٰ بھی ہمیشہ یہی ہے کہ نظم ونسق کے ابواب میں قوانینِ ربّانی کا اتباع اور آئینِ ایمانی ہی کی پیروی کرنی چاہیے۔ ہاں اُن میں سے اگر کوئی ہوا پرست ہے تو اسی دائرے کے اندر ہَوا پرستی کرے گا۔ اور انہی قوانین کے دائرے میں سُخن سازی اور حیلہ بازی ظاہر کرے گا۔ اور اُسے اپنا ہُنر و کمال سمجھے گا اور کہے گا کہ میں نے فلاں کو فقہی قواعد کی رُو سے مُلزم بنایا، اور اپنے دعویٰ کو شواہدِ شرعیہ کی رُو سے پایۂ ثبوت کو پہنچایا۔ یہ نہ کہے گا کہ میں نے اُن قواعد اور شواہد کو اپنی چرب زبانی سے باطل کیا اور بحث و جدال کے اشکالات اِس پر عائد کیے کیونکہ اس کا یہ کہنا لوگوں کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اور یہ کلام اگرچہ بظاہر دلائلِ عقلیہ سے مدلل ہو۔ لیکن ان کے نزدیک ہرگز خاطر نشین نہیں ہو سکتا۔

پس جو صاحبِ ریاست و سیاست نظم و نسق میں قوانینِ ربّانی اور آئینِ ایمانی سے موصوف اور تمام اہلِ زمان میں اِس طرح معروف ہو۔ اس کی رعایا میں ہر کس و ناکس خود بخود جانتا ہے کہ جس وقت ہم اپنے مقدمے کو قواعدِ فقہیہ اور شواہدِ شرعیہ پر مُنطبق کریں گے۔ اور اپنے دعوے کو اِنہی دلائل کے ساتھ پایۂ ثبوت کو پہنچائیں گے تو محکمۂ عدالت میں ہرگز مغلوب نہ ہوں گے اور اپنے مخالف کو اس کی رُو سے مُلزم بنائیں گے اگر حاکم

وقت بھی اِس کی پاسداری کرے گا تو اسے بھی ساکت کر دیں گے۔ پس وہی صاحب دعوۃ نظم ونسق کے باب میں واجب الاطاعت ہے جو شخص ہر دو باب یعنی صلح وجنگ اور نظم ونسق میں صاحب دعوۃ ہوگا وہی واجب الاعانت ولازم الاطاعت امام ہے۔ جہاد میں اس کی رفاقت ترک کرنی اور ریاست وسیاست کے احکام میں اس کی اطاعت چھوڑنی ہرگز جائز نہیں۔ اِس کی نیت کے فساد کا بیان اور اس کی اخلاقی واعمالی برائیوں کا ذکر ناممنوع ہے۔ اِس کی رفاقت اور اطاعت عین عبادتِ ربّ العزت اور اعانتِ دینِ سیدالانام ہے اور اس پر خروج اور اس کی بغاوت شرعاً حرام اور دینِ اسلام کی بدخواہی ہے۔ پس "لفظ امام" سے یہی صاحب دعوۃ مراد ہے۔ اور آئندہ بحث میں لفظِ امام کے اِس معنی کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

تنبیہ ثانی

اصحابِ دعوۃ کا حکم

اِس بیان میں کہ اربابِ حکومت میں سے کون کون اصحابِ دعوۃ میں داخل ہو سکتا ہے اور کون کون اِس سے خارج ہے۔

افضل اکمل افراد سے مفہوم خلیفۂ ارشد ہے۔ بلکہ یہی صاحبِ دعوۃِ حق ومتبوعِ مطلق ہے۔ اور اس کے بعد سلطانِ عادل ہے خواہ ناقص ہو خواہ کامل۔ اور سلاطینِ مضلّین اور شاہانِ ملحدین ہرگز اِن افراد میں سے نہیں ہیں۔ رہا سلطان جابر، تو اس کی تفصیل یوں ہے کہ سلطان جابر کی چند قسمیں ہیں۔

پہلی قسم طفل مزاج وسفیہ طبع ہے جو قوانینِ شرعیہ یا نقلیہ سے کسی قانون کا اتباع نہیں کرتا۔ اور کسی آئینِ ربّانی یا سُلطانی کا اقتدار کچھ نہیں سمجھتا۔ بلکہ دیوانہ وار شترِ بے مُہار کی طرح محض اپنے خیال کے تابع ہوتا ہے۔ جو کچھ اس کے خیال میں گذرتا ہے اِسی بات کو اپنے مقاصد میں سے خیال کرتا ہے نہ اقامتِ سُنّت سے اس کو غرض ہوتی ہے نہ اشاعتِ بدعت سے۔

دُوسری قسم فاسق مجاہد کی ہے جو عیّاشی کے دقائق کی وجوہ میں رعائتِ شرع وعُرف سے دست بردار ہو کر کوشش کرتے اس فن کے ماہروں کو اپنی بارگاہ کا مقرب بنائے اور منہیات و اسباب لہو ولعب کو کمال تک پہنچائے اور اربابِ لہو ولعب و نشاطِ طرب کو ہر طرف سے جمع کرے اور اس فن کی تکمیل و تتمیم کو اپنے کمالات سے سمجھے۔ پس اس کی سلطنت کا قیام باعثِ شیوعِ فواحش و سببِ ظہورِ قبائح ہے، وہ زبانِ حال سے فسق و فجور کا داعی ہے اگرچہ زبانِ قال سے ان قبائح کا داعی نہیں۔ لیکن انہی اقسامِ مذکورہ کو ظُلم و تعدّی و تجبّر و تکبّر کے باب سے قیاس کرنا چاہیے۔

تیسری قِسم اِن میں سے سُلطان شرمگیں کی ہے جو اگرچہ غیر مشروع کاموں کو عمل میں لاتا ہے لیکن انہیں قبائح و فضائح بھی سمجھتا ہے اور انہیں عیوب کی مانند چُھپاتا ہے۔ اور ان کے چھپانے میں دل وجان سے کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ لہو ولعب اور نشاط وطرب کی مجلس آراستہ کرتا اور شراب پینے اور طنبورہ بجانے کا شغل رکھتا ہے۔ لیکن یارانِ مجالس اور یگانوں اور ساتھیوں کے ساتھ اس محفل کو خلوت میں گرم کرتا ہے اور اس امر کی شہرت سے شرم کرتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً کوئی ان قبائح کو اس کی طرف منسُوب کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی سے اپنی بریّت کرتا ہے۔ اِسی

طرح اگر اتفاقاً طمعِ مال کے سبب یا طیش و غضب سے کسی شخص کی نسبت
کوئی ظلم و جَور اس سے صادر ہو جائے اور اس کی جان یا مال کو نقصان
پہنچ جائے اور کوئی اسے اس بات پر سرزنش کرے اور اس برائی کے
صادر ہونے پر اسے عتاب فرمائے۔ تو وہ سلطانِ شرمگیں اس بات کی
مناسبت کو اپنے سے دفع کرتا اور کہتا ہے کہ یہ بات فلاں شخص سے
ہوئی ہے نہ کہ مجھ سے اور وہ فلاں امیرِ کبیر ہے اور اس پر میرا ہاتھ اس
طریقے سے نہیں چلتا کہ اس سے باز پُرس کروں۔ ہاں کسی تدبیر سے آہستہ
آہستہ اس سے انتقام لوں گا۔ اور ظلم و تعدّی کا بدلہ اسے چکھا دوں گا۔ اور
اس تعدّی و ظلم کے جُرم کا اور اس کے بدلے کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے
کہ اس مظلوم کو راضی کر لوں گا۔ اور اس کا مال دے دوں گا۔

اور ایسے ہی رسومِ تجبّر و تکبّر کے اظہار میں حیلہ شرعیہ لاتا ہے مثلاً اپنے
لیے کوئی مسند مقرّر کرتا ہے اور اس کا دل چاہتا ہے کہ کوئی اَور اس پر نہ
بیٹھے۔ بلکہ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ لیکن اپنے کو اہلِ وساوس سے ظاہر
کرتا ہے۔ اور اسی حیلے سے تجبّر و تکبّر کی رسم ادا کرتا ہے۔ اور ظاہراً اس معنی
کا اظہار یوں کرتا ہے۔ کہ طہارت و نجاست میں مجھے بہت وسوسہ رہتا ہے
اور اس بات کو میں احتیاط و تقویٰ سمجھتا ہوں۔ اگر کوئی اسے ہاتھ لگائے تو میرے
زعم میں وہ نجس کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے میں اس بات سے راضی نہیں کہ
کوئی اس کے نزدیک بیٹھے یا اسے ہاتھ لگائے۔ لیکن وہ در پردہ ہوائے نفسانی
اور اقتدائے وساوسِ شیطانی کی بنا پر ایسے حیلے کرتا ہے۔ مگر چرب زبانی سے
اپنے آپ کو ان قبائح سے متہم نہیں ہونے دیتا۔

پس اس قسم کے جابر سلاطین اگر صلح و جنگ اور نظم و نسق کے بارے

میں صاحبِ دعوت ہوں تو مفہوم امام میں داخل ہیں۔ لیکن سابقہ اقسام ہرگز افرادِ صاحبِ دعوت میں شامل نہیں ہیں۔ امام کے احکام جو آئندہ بحث میں ذکر کیے جائیں گے۔ وُہ سب اِس سُلطان باحیا کی طرف منسوب ہیں۔ مدہوش غافل، فریفتۂ لایعقل، فاسق، سفّاک، ظالم، متجبّر اور متکبّر مردُود کی طرف منسُوب نہیں۔ اور اس مقام میں چند لطیفے ہیں۔ جو چند نکات کے ضمن میں بیان کیے جاتے ہیں:۔

نُکتہ اوّل

سُلطانِ عادل کے لیے گو یہ بات ضروری نہیں، کہ صُلح و جنگ کے بارے میں صاحبِ دعوت ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کُفّار، اشرار یا مُبتدعینِ بد کردار کے ساتھ قتل و غارت کا معرکہ برپا کرے اور ان کا قلع قمع کرے اور اُن کی مملکت کو اپنے ماتحت کرے اور ان کی سلطنت زیروزبر کر دے۔ لیکن مخالفتِ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی بنا پر نہیں۔ بلکہ اپنی کشور کُشائی اور فرمانروائی کے لیے۔

پس گو یہ جنگ و جدال ممنوعاتِ شرعیہ میں سے نہیں کہ اس کی عدالت کو مٹا دے۔ لیکن جہادِ فی سبیل اللہ سے بھی نہیں ہے کہ اس کے سبب وہ صاحبِ دعوت بن جاتا ہے۔ لیکن جبکہ اس کے اقبال کی ترقّی، اِسلام کی ترقّی کا باعث اور اس کی شوکت کی شکست رونقِ اِسلام کی شکست کا باعث ہے۔ کیونکہ اگر مغلوب و مقہور ہو گا تو ضرور اس کے مخالفین جو کہ اہلِ باطل ہیں بلادِ اسلام پر قبضہ پالیں گے اور مِلّت و اُمّت کی خرابی کے لیے کوشاں ہوں گے۔ پس اِسلام اور اہلِ اسلام کو نُقصان عظیم پہنچے گا۔ اس بناء پر اس کی اعانت بمقابلۂ مخالفین جو کہ فی الحقیقت مخالفِ دین ہیں تمام مُسلمانوں پر لازم ہے۔

پس اس باب میں گو وُہ صاحبِ دعوت نہیں لیکن صاحبِ دعوت کا حُکم رکھتا ہے۔ یہ کلام صُلح وجنگ کے باب میں ہے مگر نظم ونسق کے باب میں ہر سُلطان عادل صاحبِ دعوت ہی ہوگا ورنہ وُہ عادل نہیں ہوسکتا۔

اِس بیان سے واضح ہُوا کہ سُلطانِ عادل نظم ونسق میں حقیقتاً صاحبِ دعوت ہے اور صُلح وجنگ کے بارے میں یا حقیقتہً صاحبِ دعوت ہوگا یا حُکماً اِس بنا پر سُلطانِ عادل مُطلقاً صاحبِ دعوت کے معنی میں داخل کیا گیا ہے۔

نُکتہ دوم

پہلے بیان سے واضح ہوگیا کہ سُلطانِ جابر مُطلقاً صاحبِ دعوت کے معنوں میں نہ داخل ہے اور نہ خارج۔ بلکہ اس کے بعض افرا مثلاً سُلطان باحیا وغیرہ اِس کے اقسام میں شامل ہیں۔ اور بعض مثلاً فاسق، بے حیا، ظالم بے دفا، مدہوشِ لایعقل، اور متجبّر جاہل اِس سے خارج ہیں۔ پس اگر ایک شخص کہے کہ سلطان جابر بھی اقسامِ امام ہیں سے نہیں اور اس کی اعانت و اطاعت واجب نہیں ہے۔ اور دُوسرا کہے کہ سُلطان جابر بھی اقسام امام میں سے ہے اور اس کی ظُلم وتعدّی سے امامت باطل نہیں ہوجاتی۔ بلکہ اِس کی اعانت واطاعت تمام اہلِ اسلام پر واجب ہے اور اس کے شدائد پر صبر لازم ہے تو یہ دونوں باتیں حقیقتاً سچ ہیں۔ کیونکہ بعض افراد کا حُکم تو قولِ اوّل کے موافق ہے اور بعض کا قولِ دوم کے مطابق۔

پس اِس بیان سے واضح ہوا کہ جو احادیث اِس باب میں مختلف وارد ہوئی ہیں۔ اور بظاہر ان میں تعارض معلوم ہوتا ہے فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں رکھتیں۔ بلکہ ہر حدیث کو اس کے محل پر رکھنا چاہیے جیسا کہ حضرت

عمر ابن الخطاب رضؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انہ نصیب امتی فی اخر الزمان من سلطانھم شدائد لا ینجوا منھا الا رجل عرف دین اللہ فجاھد علیہ بلسانہ وبیدہ وقلبہ فذالک الذی سبقت لہ السوابق۔

میری اُمت پر زمانہ آخر میں اُن کے بادشاہوں کی طرف سے سختیاں ہوں گی اور ان سے وہ شخص بچ سکے گا، جس نے اللہ تعالیٰ کا دین پہچانا۔ پھر زبان سے، ہاتھ سے اور دل سے جہاد کیا۔ پس یہ شخص وہ ہے جس کی نیکیاں اوّل ہی درگاہِ الٰہی میں پہنچ گئیں۔

نیز حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیف انتم وائمۃ من بعدی یستاثرون بھذا الفیئ قلت اما والذی بعثک بالحق اضع سیفی علی عاتقی ثم اضرب بہ حتی الحقک قال اولا ادلک علی خیر من ذلک تصبر حتی تلقانی۔

کیا ہوگا جب کہ میرے بعد تم اور تمہارے امیر مال غنیمت کے مختار ہو جائیں گے تو میں نے عرض کیا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ معبوث فرمایا کہ میری تلوار میری گردن پر رکھ کر مار دیجیے۔ تاکہ میں آپ سے ملوں۔ فرمایا کہ میں تجھ کو اس سے بہتر بات بتا دوں کہ صبر کر یہاں تک کہ تو مجھ سے آملے۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان السلطان ظل اللہ فی الارض

بے شک بادشاہ زمین میں اللہ کا سایہ

باوی الیہ کل مظلوم من عبادہ فاذا عدل کان لہ الاجر وعلی الرعیۃ الشکر واذا جار کان علیہ الاصر وعلی الرعیۃ الصبر	ہے۔ ہر مظلوم اس کی طرف جاتا ہے۔ جب انصاف کرتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور رعیّت کو شکر کرنا چاہیے۔ اور اگر ظلم کرتا ہے تو اسے گناہ ہوتا ہے اور رعیّت کو صبر کرنا چاہیے۔

یہاں اِس بات کی تحقیق مطلوب ہے کہ سُلطانِ جابر کی رفاقت کا ترک، اِس کی بیعت شکنی، اس پر خروج و بغاوت کرنا، یا تو اس کے جُرم کی سرزنش کی بنا پر ہوتا ہے یا اس کے ظُلم کے عوض یا مظلوموں کی تسکین قلب کے لیے، یا حفظِ ملّت و نظم کی بنا پر کہ بدکاریوں اور بُرائیوں کے رائج ہونے کے سبب احکامِ ملّت میں فتنہ و فساد پڑا ہو۔ یا ظُلم و تعدّی کے باعث نظامِ اُمّت برباد ہو گیا ہو۔ پس اوّل بات بدترین معاصی اور مُنکرات سے بغایت مردُود ہے۔ اور دُوسری افضل عبادات اور اکمل طاعات سے ہے۔ پس حدیث اوّل شق ثانی کی طرف اشارہ کرتی ہے اور پچھلی دونوں حدیثیں شق اوّل کی طرف۔ پس شدائد سے مُراد جو حدیث اوّل میں مذکور ہوئیں شدائد دینی سے ہے۔ یعنی فواحش و قبائح کا ظہور، چنانچہ کلمہ "لا ینجو منہ الا رجل عرف دین اللّٰہ" (نجات نہ پا سکے گا اس سے مگر وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو سمجھ لیا) اِس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جس بلا سے دینِ حق کی معرفت کی وجہ سے نجات پاتے ہیں وہ یہی بلائے فتنۂ دینیّہ ہے نہ کہ بلائے فتنۂ دنیوی۔ اور مخالفت سُلطانِ وقت سے عارف کو نجات کی ضرورت ہے نہ کہ جاہل کو۔

نیز جو اس مسئلے میں علمائے اُمّت کے درمیان اختلاف ہے کہ امام بسبب فسق و ظُلم کے اپنی امامت سے معزول ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اکثر علمائے حنفیہ کا خیال ہے کہ معزُول ہو جاتا ہے۔ اور بعض علمائے شافعیہ کا

خیال ہے کہ معزول نہیں ہوتا۔ اس اختلاف کو حقیقت میں اختلاف نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ ہر دو فریق کے کلام کی اس وجہ سے تطبیق کرنی چاہیے کہ جس نے اس کے معزول ہونے کا حکم لگایا تو اس کی مراد یہ ہے کہ فسق و ظلم یہاں تک ہو جائے کہ ان قبائح کی طرف حالاً و قالاً اس کی دعوت متحقق ہو۔ اور جس نے عدم معزولی کا حکم لگایا تو اس کی مراد یہ ہے کہ فسق و ظلم حدِ دعوت کو نہ پہنچا ہو۔

پس اس مسئلے میں واجب القبول مسئلہ یہی ہے کہ فسق و ظلم کا اعلان امام کو معزول کر دیتا ہے یا مستحقِ عزل۔ اور مطلق فسق و ظلم کا صدور بغیر اعلان و دعوت کے ہرگز اسے معزول نہیں کرتا اور نہ مستحقِ عزل۔ اور اس کی دلیل کی تفصیل ایک مقدّمے کی تمہید پر موقوف ہے۔

تفصیل اس کی یُوں ہے کہ اللہ جلّ شانہ، بعض احکام کا حکم فرماتا ہے اور اسے کسی دُوسرے امر کا وسیلہ بنا دیتا ہے۔ یعنی ان احکام کی اقامت سے کسی غرض یا منافع کا حصول مدّنظر ہوتا ہے کہ ان احکام کو اس غرض کی تحصیل اور ان منافع کی غرض کے لیے مقرر کیا۔ مثلاً عقد، بیع اس واسطے مشروع ہوا کہ مُشتری کو تملک مبیّع حاصل ہو۔ یعنی اس چیز کا مالک بنے۔ اور بائع قیمت کا مالک بن جائے۔ اور عقد نکاح اس واسطے مشروع ہُوا کہ جانبین کو ایک دوسرے سے فائدہ حاصل ہو۔ پس اگر معاملاتِ مذکورہ اس وجہ سے مُنعقد ہوں کہ غرض و مقصود حاصل نہ ہو۔ تو وہ معاملہ اصل سے باطل ہے یا قریب البطلان۔ کیونکہ ہر ایک کو جانبین سے اس کا نقص پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے اپنا دریا میں پڑا ہُوا مال کسی کے ہاتھ فروخت کیا۔ پس اگرچہ وُہ مال دریا کی تہ میں ہو اور اس کی قیمت بائع کے مِلک میں، لیکن جب کہ خریدنے والے کو مال کا حصول جو بیع کے لیے شرط ہے اس صورت میں مُشکل ہے تو اس بنا پر یہ بیع باطل ہوئی۔ اور ایسے ہی مُسلم کا نکاح مُشرکہ

عورت کے ساتھ ہے کہ اگرچہ طرفین سے ہر ایک بجائے خود لائق نکاح ہو۔ اور نکاح کے ارکان ایجاب و قبول بھی اِس صورت میں واقع ہو جائیں۔ لیکن جب کہ ایک دُوسرے سے فائدہ حاصل کرنا مَفقُود ہو تو نکاح بھی باطل ہے۔ ایسے ہی مرد کا نامرد ہونا اور عورت کو مرتق یا فتق ہونا بھی باعثِ ابطال نکاح ہے۔

جب اِس مقدمے کی تمہید ہوگئی تو سمجھ لینا چاہیے کہ نسب اور تقرّرِ امام کا مقصد احکامِ ملّت کی حفاظت اور اجتماعِ اُمّت کا نظام ہے۔ جیسا کہ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ فقہ اکبر میں فرمایا :۔

ان المسلمین لا بدّ لھم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم واقامۃ حدودھم وسد ثغورھم وتجھیز جیوشھم و اخذ صدقاتھم وقھر المتغلبۃ والمتلصصۃ وقطاع الطریق و اقامۃ الجمع والاعیاد وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لھم وقسمۃ الغنائم ونحو ذالک من الواجبات الشرعیۃ التی لا یتولھا احاد الامۃ انتھٰی

مسلمانوں کے لیے امام کا قیام ضروری ہے کہ ان کے حکموں کو اور حدّوں کو جاری کرے اور ان کی ضرورتیں پوری کرے اور لشکر تیار کرے اور ان سے صدقات لے اور غلبہ کرنے والوں اور رہزنوں کو رد کرے۔ حج اور عیدین کو قائم کرائے۔ اور جن بچوں کے ولی نہ ہوں ان کے نکاح کرا دے اور غنائم کی تقسیم کرے اور دیگر شرعی ضرورتوں کو پُورا کرے جن کا ہر ایک والی نہیں ہو سکتا۔

پس جب وقت سلطان جابر کا فسق و ظلم یہاں تک ہو جائے کہ مذکورہ منفعت ملت کو اس کی ریاست سے نہ پہنچے۔ بلکہ ملت و امت کو اس سے مضرت پہنچے مثلاً قبائح اور فواحش کا ظہور، دین میں سستی مفسدین کی افراط، جمعہ اور عیدین کا ترک بلکہ صلوٰۃ پنجگانہ کا ترک وغیرہ ہو تو اس صورت میں ضرور وہ اپنی امامت سے معزول ہو جائے گا یا مستحق عزل۔ اور اگر مذکورہ منفعت (دین) اس سے ظاہر ہے خواہ اپنے ذاتی معاملات میں فاسق ہو تو اس کے معزول ہونے کا کوئی حکم نہیں کیونکہ اس مقام پر امامت سیاست میں مراد ہے نہ کہ امامت باطنہ میں کہ جس کے اقوال و افعال کا اتباع اور اس کے اخلاق و احوال کا اقتدا موجب نجات ہے اور باعث رفع درجات و سبب حصول عطیات و نزول برکات ہے۔ مگر یہاں صرف صلح و جنگ کا بندوبست اور عدالت و سیاست کا نظم و نسق قوانین شریعت کے مطابق کافی ہے۔

نکتہ سوم

سابقہ بیان سے اتنا واضح ہو گیا کہ ثبوت امامت کا دارمدار دعوت ہی کے وجود پر ہے حالانکہ علمائے سلف و خلف سے کسی نے اس معنی کو شروط امامت میں شمار نہیں کیا۔ پس ضرور سامعین کو ایک قسم کا تعجب ہو گا کہ ان مشہور علماء اور جمہور فضلا نے ایسے بلند پایہ رکن کو امامت کے ذکر کے مقام سے کیسے فروگذاشت کر دیا اور دوسری شرطیں پیش نظر رکھیں۔

اس اجمال و اشکال کی تفصیل و شرح یوں ہے:۔

کہ جب الفاظ میں سے کوئی لفظ مفہومات سے کسی مفہوم پر دلالت کرتا

ہے تو ضرور اس مفہوم کے بعض لوازم اس درجے کو ظاہر کرتے ہیں اور بعض لوازم اس طرح سے مخفی ہوتے ہیں جو وضاحت بیان کی حاجت رکھتے ہیں۔ پس لوازم و شروط کے ذکر کے مقام میں انہی امور خفیہ کو ذکر کیا جاتا ہے تاکہ قیل و قال، بحث و جدال اور اثبات و ابطال اس پر متوجہ ہوں اور حق کی باطل سے تمیز ہو جائے۔ لیکن لوازم ظاہرہ کے ذکر کو اکثر مقام پر فروگذاشت کر دیتے ہیں۔ اور اسے اس لفظ کے ضمن میں حکم مذکورہ سے سمجھتے ہیں۔ مثلاً جس وقت لفظ "رسول اللہ" بولتے ہیں تو اس سے ضرور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس منصب کے صاحب کو اللہ کے نزدیک مراتبِ وجاہت میں تمام افراد انسانی کی نسبت ایک خاص امتیاز حاصل ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں اور جس وقت اس لفظ کی تفسیر کی جاتی ہے تو "رسول" سے مراد وہ شخص ہے جو خدا کی طرف سے تربیتِ خلق کے لیے مبعوث ہو اور ضرور اس سے مستفید ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسے بارگاہ رب العزت سے ایک خاص علم حاصل ہوتا ہے جو کسی دوسرے کو بلا واسطہ حاصل نہیں ہوتا۔ اور جب اس کے منافع کو بیان کیا جاتا ہے کہ رسالت سے مقصود اہل سعادت کی ہدایت ہے اور اہل شقاوت پر اتمام حجت۔ ضرور اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسولؐ صاحب تربیت کاملہ اور دعوتِ بالغہ ہو۔ پس ایسے امور منصبِ رسالت کے ظاہری لوازم میں سے ہیں اور اسی واسطے بحثِ نبوت میں بہت کم ذکر کیے جاتے ہیں۔ اور منصبِ رسالت کے لیے خفیہ لوازمات ہیں جن کی تحقیقت نظرِ عمیق اور فکرِ دقیق کے استعمال سے ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ صغائر و کبائر سے ان کی عصمت ملائکہ مقربین پر فضیلت اور تمام افراد انسانِ سے

بحسبِ حقیقت و ماہیت ان کا امتیاز۔ پس ایسے امر منصبِ رسالت کے نخفیہ لوازم ہیں۔ اور اسی واسطے تمام مبحثِ نبوّت سے ایسے مسائل علیحدہ ہیں جو اہلِ تحقیق کی نظروں سے تعلّق رکھتے ہیں۔

جب اِس مقدمے کی تمہید ہو چکی تو مَیں کہتا ہوں کہ جس وقت نصبِ امام کی منفعت کا بیان ہوا کہ۔

لابد لهم من امام لتجهز جیوشهم وسدّ ثغورهم الخ	مُسلمانوں کے لیے امام کا قیام ہے تاکہ لشکر تیار کرے اور ان کی ضرورتیں پوری کرے۔

تو خود بخود اِس بیان سے واضح ہو گیا کہ ان باتوں میں "صاحبِ دعوت" ہی امام ہوگا۔ دوبارہ تکرار کی حاجت نہیں۔ برخلاف تمام شرائط کے اس کی مثال یوں ہے کہ شروطِ قاضی کے بیان میں اس کے علم و دیانت کا ذِکر ہوتا ہے نہ یہ کہ اِس منصب کے لوازم میں سے ہے کہ اپنی ہمّت کو مقدّمات کے فیصلوں میں مشغول کرے اور اسے اپنے اہم مقاصد میں سے سمجھے کیونکہ یہ اِس منصب کے تصوّر کے لوازم ظاہریہ میں سے ہے۔ اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ اور ایسے ہی اوصافِ امامِ صلوٰۃ کے بیان میں علم و قرأۃ اور تقویٰ کا ذِکر ہوتا ہے نہ یہ کہ اس کے لوازم میں سے ہے کہ اپنی ہمّت کو لوازم صلوٰۃ میں صرف کرے اور اسے اپنے فرائض میں سے سمجھے۔ اور ایسے ہی مؤذن کے اوصاف کے بیان میں طہارت قبلہ رُو ہونا اور وقت کی پہچان ہو گی اِس بات کا خیال نہ ہو گا کہ گُنگ نہ ہو، اِس کے حَلق میں بلغم کا سُدّہ اِس طرح نہ بیٹھا ہو کہ اس کی آواز نہ نِکلے۔ کیونکہ یہ بات منفعتِ اذان کے لوازم میں سے ہے۔ اور ایسے ہی دعوت کا وجود، منفعتِ امامت کے لوازمات میں سے ہے۔

امامت کی حقیقت کا بیان اور اس کے اقسام کا ذکر اس رسالے میں رب الارباب کی تائید سے یہاں تک ظاہر ہُوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب احکام آئندہ ابواب میں بالوضاحت مذکور ہوں گے[1]

واللہ یھدی الیٰ سبیل فنعم المولیٰ ونعم الوکیل

---

[1] افسوس کہ حضرت شہیدؒ اس مشارٌ الیہ مضمون کو پُورا نہ کر سکے اور جہاد کی فرضیتِ اُولیٰ کی تکمیل میں جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

ہمارے نزدیک صدر الشہید حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے منصب امامت اپنے جد امجد حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام رفیع کی تشریح کرنے کے لئے لکھی ہے:

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

5- یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور: 7241778